39

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

ہفت روزہ

5 تا 11 ذی القعدہ 1432ھ/ 4 تا 10 اکتوبر 2011ء

شہادت حق کے تقاضے

راہ حق کی ایک اہم ذمہ داری شہادت حق کے فریضے کی ادائیگی ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے حق اور صداقت کا گواہ بن کر کھڑا ہونا، جس عقیدے اور نصب العین کو شعوری طور پر اختیار کیا ہے اس کو دنیا کے سامنے بلاخوف لومۃ لائم پیش کرنا اور اس کی صداقت پر اپنے کردار وعمل سے گواہی پیش کرنا، اپنے کردار و عمل میں وہ پختگی پیدا کرنا کہ مخالفتوں کے طوفان بھی راہ حق سے قدم نہ ڈگمگا سکیں، اپنے حق سے کم پر راضی رہنا اور دوسروں کو ان کے حق سے زیادہ دینا، محسنین کی روش اختیار کرنا، حتی الامکان کسی ناروا تنازع میں الجھنے سے گریز کرنا تاکہ دعوت متاثر نہ ہو اور کسی کے بڑھتے قدم پیچھے نہ ہٹ جائیں۔ الدین النصیحۃ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک حقیقی ہمدرد اور خیر خواہ، غم گسار و غم خوار کی حیثیت اختیار کرنے کی کوشش کرنا، منافقت اور تناقض کی ہر آلائش سے خود کو بچا کر رکھنا کہ ـــ

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو پیکر عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا!

یہ سب شہادت حق کے ہی تقاضے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام چیزوں سے جو اس دعوت کی راہ میں رکاوٹ ڈالیں اور شہادت حق کے فریضے کی ادائیگی کے خلاف ہوں، پرہیز کرنا بھی شہادت حق ہی کا تقاضا ہے۔ ان منفی چیزوں میں ایک نظام کو طاغوتی نظام قرار دینا اور پھر خود اپنے لیے یا اپنے عزیزوں کے لیے اس طاغوتی نظام کا کل پرزہ بننے کی کوشش و آرزو رکھنا، جاہلی نظام کو غلط جانتے ہوئے بھی نظام باطل میں اعلیٰ مناصب کے حصول کے لیے اس میں شرکت، فتنۂ معیار زندگی کا شکار ہونا اور ضرورت اور آسائش میں فرق نہ کرنا، دعوت کی ابتدا اپنے قریبی حلقے (گھر، عزیز و اقارب، محلہ وغیرہ) سے نہ کرنا، یہ وہ چند مہلک غلطیاں ہیں جو دعوت کے کام کو برباد ہونے کی حد تک پہنچا دیتی ہیں۔

سید عاصم علی

اس شمارے میں

امن کو موقع دو!

نظام حق کے قیام کے مخالف طبقے

افغانستان پر اتحادی یلغار
امریکہ نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟ (II)

امریکہ کا ہدف،
پاک فوج اور دینی مدارس

صلح حدیبیہ کی شرائط
اور صحابہ کرامؓ کا اضطراب

آل فرعون پر آنے والی آفات
اور اہل پاکستان

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور نوجوان نسل

امریکی دھمکیاں..........

تنظیم اسلامی کی دعوتی وتربیتی سرگرمیاں

سورۃ یونس

(آیات:65تا69)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

وَلَا یَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ؕ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝65 اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ
یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝66 هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝67 قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ
عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝68 قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ ۝69

’’اور (اے پیغمبرؐ) ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہونا (کیونکہ) عزت سب اللہ ہی کی ہے۔ وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔ سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ ہی کے (بندے اور اس کے مملوک) ہیں اور یہ جو اللہ کے سوا (اپنے بنائے ہوئے) شریکوں کو پکارتے ہیں اور (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے، صرف ظن کے پیچھے چلتے اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو، اور دن کو روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو)۔ جو لوگ مادہ سماعت رکھتے ہیں ان کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔ (بعض لوگ) کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ (اس کی) ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ (اے افتراپردازو) تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں ہے، تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘

نبی اکرم ﷺ سے فرمایا کہ آپ کفار کی باتوں سے چنداں رنجیدہ نہ ہوں۔ عزت کل کی کل اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کائنات کا خالق ہے، وہی کل کائنات کا مالک بھی ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے، اُسی کی ملکیت ہے۔ اُس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ یہ لوگ جو اللہ کے سوا اوروں کو پکار رہے ہیں وہ ہرگز اللہ کے شریک نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو صرف اپنے اٹکل کی پیروی کر رہے ہیں، اور ظن وتخمین کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

اللہ ہی نے انسان کے لیے رات بنائی، اُس میں تاریکی اور خنکی رکھی۔ رات کے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اس میں سکون پکڑے، آرام اور استراحت اور اطمینان حاصل کرے۔ اور اللہ نے دن کو روشن بنا دیا۔ رات کی حیثیت آرام کے بستر کی سی ہے اور دن گویا جدوجہد کا میدان ہے۔ اُسے روشن بنایا گیا، تاکہ اس میں انسان کام کرے اور اپنی معاشی جدوجہد کرے۔ یقیناً رات اور دن کے آنے جانے میں اُن لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو حقیقتاً سنتے ہوں۔

یہاں عیسائیوں اور بعض دیگر اہل مذاہب کے اس باطل خیال کا رد کیا جا رہا ہے کہ اللہ نے اولاد اختیار کی۔ فرمایا، اللہ تو اس سے پاک ہے۔ وہ غنی اور بے نیاز ہے۔ اسے اولاد کی کیا ضرورت۔ انسان کو اولاد کی تمنا اس لیے ہوتی ہے کہ اُسے معلوم ہے کہ ایک دن موت آ جائے گی۔ اولاد ہو گی تو اُس کے ذریعے میرا نام باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تو فانی نہیں، بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اُسے کسی اولاد کی احتیاج نہیں۔ اس کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اُسے اولاد کی حاجت ہو۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تمہارے پاس کوئی سند اور دلیل اس چیز کے لیے نہیں ہے کہ تم نے اللہ کے لیے اولاد تراش لی ہے۔ تم اللہ کی طرف وہ چیزیں منسوب کر رہے ہو، جن کے لیے تمہارے پاس کوئی علم اور دلیل نہیں ہے۔

آپ کہہ دیجیے، وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ باتیں منسوب کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ دنیا میں اُن کے لیے ساز وسامان ہے، رہنا بسنا ہے، کچھ ضرورت کی چیزیں ہم نے اُن کو دی ہیں۔ پھر ان سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو بہت سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس کفر کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

دوزخ شہوات اور جنت سختیوں سے گھیری گئی ہیں

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ)) (رواہ البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’دوزخ شہوات ولذات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے۔‘‘

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امن کو موقع دو!

اگر کوئی ملک یا قوم کسی بحران کی زد میں آجائے، کوئی ہنگامی صورتحال پیدا ہو جائے یا کسی دوسرے ملک سے جنگ اور تصادم کی سی کیفیت پیدا ہو جائے تو سیاسی اور عسکری قیادت کا سر جوڑ کر بیٹھ جانا اور باہمی مشاورت سے کوئی متفقہ لائحہ عمل اختیار کرنا ایک اچھی بلکہ انتہائی قابل تحسین روش ہے۔ خصوصاً مسلمانوں کے لئے تو باہمی مشاورت حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اس پس منظر میں ہم وزیر اعظم کی طرف سے بلائی گئی آل پارٹیز کانفرنس کو ایک صحیح اور درست سمت میں قدم قرار دیتے ہیں۔ اس حوالہ سے ہونا یہ چاہئے کہ اہم معاملات پر سنجیدگی سے غور و خوض کیا جائے، کھلے دل و دماغ سے مشاورت ہو، پھر جس نتیجہ پر پہنچو اللہ کا نام لے کر اور اس سے مدد چاہتے ہوئے پورے عزم اور استقلال کے ساتھ اس پر ڈٹ جاؤ۔ لیکن ہماری 64 سالہ تاریخ گواہ ہے کہ ایسی کانفرنسیں پاکستان کے لئے کبھی اچھے نتائج برآمد نہ کر سکیں۔ موجودہ دورِ حکومت میں پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس نے دو مرتبہ متفقہ قراردادیں منظور کریں۔ ان قراردادوں کی تحریر یعنی اس کا متن، اس کا مغز، اس کے فیصلے بحیثیت مجموعی انتہائی شاندار اور قابلِ تحسین تھے۔ کوئی بھی محبّ وطن شہری ایسی اچھی قراردادیں منظور کرنے والی پارلیمنٹ کے نمائندوں کو سیلوٹ کرے گا اور اسے ان کا سنہری کارنامہ قرار دے گا۔ لیکن عملاً ہوا کیا؟ اسی پارلیمنٹ کی اکثریتی جماعت نے جس کی ظاہر ہے ملک میں حکومت ہے، ان متفقہ قراردادوں کو پاؤں تلے روند ڈالا، انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ کوئی شخص کسی کو بہت اچھا خط لکھے جس میں اچھی نصیحتیں اور مشورے ہوں، تحریر بڑی خوبصورت ہو، الفاظ کا انتخاب بہت معیاری اور ادبی ہو جس سے اس کا بلکہ انسانیت کا بھلا ہو سکتا ہو، لیکن وہ اس خط کو پوسٹ کرنے کی بجائے جیب میں رکھ چھوڑے اور وہ بوسیدہ ہو جائے تو کسی کا بھلا نہ ہوگا، اس نے محض اپنا وقت ضائع کیا۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے۔ اگر مشاورت میں نیک نیتی نہیں، اگر وقت ٹالنا مقصود ہے، اگر لوگوں کو بے وقوف بنانا مقصود ہے، اگر محض کوئی نمائشی کام کرنا ہے اور پنجابی ضرب المثل کے مطابق اگر گونگلوؤں سے مٹی جھاڑنا ہے تو ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسی کانفرنس اور ایسی مشاورت نہ صرف بے فائدہ ہوگی بلکہ ضرر رساں ہوگی۔ کانفرنسوں اور قراردادوں کے سابقہ ریکارڈ کی بنیاد پر اکثر تجزیہ نگار اس APC کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ یہ نشستند گفتند اور برخاستند کے سوا کچھ نہیں ہوگی۔ خصوصاً سیکولر عناصر جو آج کل امریکہ کے غم میں گھلے جا رہے ہیں وہ اس کانفرنس کی ناکامی کے بڑی شدت سے متمنی تھے۔ البتہ ہماری رائے کسی قدر مختلف تھی اس لئے کہ امریکہ جو لہجہ اختیار کر رہا ہے، ہماری آرمی اور خفیہ ایجنسیاں خصوصاً ISI کو جس طرح ٹارگٹ کیا جا رہا ہے، ایسے میں پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت کو فیصلہ کن انداز اختیار کرنا پڑے گا۔ اب تک کی ہماری پالیسی کا مرکزی نکتہ امریکی ڈکٹیشن کو قبول کرنا تھا۔ اب بھی اس حوالہ سے محض دو قدم آگے یا پیچھے، کبھی معمولی سا دائیں اور کبھی بائیں ہو جانا غلط ہے۔ ہمیں دوست کو دوست اور دشمن کو دشمن قرار دینا ہوگا۔

کسی مزید تبصرے سے پہلے ہم چاہیں گے کہ قرارداد کے اہم نکات قارئین کی نظر کر دیں۔ اعلامیہ کی اہم ترین بات جسے اس کا عنوان قرار دیا گیا ہے یعنی (1) امن کو موقع دو (2) ایڈ نہیں ٹریڈ (3) پاکستان کی خود مختاری پر سمجھوتا نہیں ہوگا (4) پارلیمانی کمیٹی کا قیام جو موجودہ اور قبل ازیں قراردادوں پر عمل درآمد کی نگرانی کرے گی وغیرہ۔ اگرچہ قرارداد میں اور بہت سے نکات ہیں مگر ہماری رائے میں ان نکات پر ہی نیک نیتی اور دل و جان سے عمل درآمد ہو جائے تو ہم اس کانفرنس کو کامیاب ہی نہیں انتہائی کامیاب قرار دیں گے۔ امن کو موقع دو کا اس کے سوا کوئی مطلب

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

5 تا 11 ذی القعدہ 1432ھ — جلد 20
4 تا 10 اکتوبر 2011ء — شمارہ 39

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری

مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:

67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000

فون: 36316638-36366638 فیکس: 36271241

E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700

فون: 35869501-03 فیکس: 35834000

publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون

اندرونِ ملک...... 450 روپے

بیرون پاکستان

انڈیا---------------------(2000 روپے)

یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)

امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)

ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

نکالا ہی نہیں جا سکتا کہ جس بے مقصد اور بے چہرہ جنگ میں ہم بلاسوچے سمجھے کود گئے تھے اسے خیر باد کہا جائے۔ نائن الیون سے پہلے تو ہم کسی جنگ میں ملوث نہیں تھے۔ لہٰذا نائن الیون کے بعد ہماری فوج جن کارروائیوں میں مصروف ہوئی یعنی مسلمان بھائیوں کا خون بہانا شروع کیا گیا، اسے مکمل طور پر بند کیا جائے۔ امن کو صرف اِسی صورت موقع فراہم ہوسکتا ہے۔ ایڈ نہیں ٹریڈ کے حوالہ سے ہم کہیں گے کہ پاکستان کی تاریخ کا وہ سنہرا دن ہوگا جس دن ہم ایڈ لینا بند کریں گے اور اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اپنے وسائل پر انحصار کریں گے۔ پاکستان کی خودمختاری پر سمجھوتا نہیں ہوگا، اس نکتہ پر عمل درآمد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب فاٹا میں ہونے والے ڈرون حملے روکے جائیں گے یا جوابی کارروائی میں نیٹو کی سپلائی لائن کاٹ دی جائے گی۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو خودمختاری کا یہ کیسا تحفظ ہے؟ اگر خودمختاری کے تحفظ کا مطلب صرف کراچی، لاہور، اسلام آباد کا تحفظ ہے تو پھر ہمیں واشگاف الفاظ میں کہہ دینا چاہیئے کہ فاٹا شمالی جنوبی وزیرستان وغیرہ ہمارے علاقے نہیں ہیں۔ جن علاقوں کا تحفظ کرنا ہم اپنا فرض نہیں سمجھتے ان علاقوں پر حکومت کرنے کا حق جتانا کس قانون کے تحت جائز ہے۔ اصل مسئلہ ہی یہی ہے ہم نے نائن الیون کے بعد بھلا دیا کہ ان علاقوں کے لوگ پاکستانی ہیں، مسلمان ہیں بلکہ شاید ہم نے انہیں انسان بھی نہ سمجھا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ قبائلی ہم سے ناراض ہیں لیکن ان کی اکثریت ہم سے لاتعلق نہیں ہوئی، ان مظالم کے باوجود جو ہم نے ان پر ڈھائے۔ معمولی اقلیت کے سوا اُن کی اکثریت ہمیں اپنا دشمن نہیں سمجھتی۔ ہماری رائے میں اگر اب بھی ہم اپنا قبلہ درست کرلیں، دوست کو دوست سمجھیں اور دوست کی طرح ڈیل کریں اور دشمن کو دشمن کی طرح، تو یہ ناراض قبائلی اب بھی پاکستان کی خاطر جان و مال قربان کردینے پر تیار ہو جائیں گے اور ہماری فوج ایک بار پھر شمال مغربی سرحد کی حفاظت سے بے نیاز ہوکر مشرق میں اپنے ازلی اور پیدائشی دشمن سے نمٹنے کے لئے یکسو ہو جائے گی۔

آخر میں ہم اپنی اس خواہش کے اظہار اور دعا کے علاوہ کیا کرسکتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ یاد رہے قومیں غلطیوں سے نہیں، غلطیوں پر اصرار سے تباہ ہوتی ہیں اور قدرت بھی مواقع دیتی ہے لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہیں۔ کیا ہم احساس نہیں کر پا رہے کہ مختلف عذاب بارشوں اور بیماریوں کی صورت میں ہم پر یوں نازل ہو رہے ہیں جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہو اور اُس کے دانے پے در پے گر رہے ہوں۔ مذکورہ عذاب ہم پر ایک کے بعد دوسرا نازل ہو رہا ہے۔ شاید ہمیں آخری تنبیہ جاری ہو چکی ہے۔ حکمران کان کھول کر سن لیں کہ ہم امن کے خواہشمند ہیں لیکن اگر ہمیں جنگ کرنی ہے تو صرف اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے، مسلمانوں سے نہیں۔ اللہ کو راضی کرنے کی یہی واحد صورت ہے۔

☆☆☆

بیابہ مجلس اسرار

نظامِ حق کے قیام کے مخالف طبقے

اسلام کے نظامِ عدل وقسط کے قیام میں رکاوٹ کون بنے گا؟ ظاہر بات ہے کہ جو مظلوم ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظلم کا خاتمہ ہو‘ جو مستضعفین ہیں‘ جنہیں دبا لیا گیا ہے‘ جن کے حقوق غصب کیے گئے ہیں وہ تو چاہیں گے کہ ظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عادلانہ نظام قائم ہو۔ لیکن جو ظالم ہیں‘ جنہوں نے ناجائز طور پر اپنی حکومتوں کے قلادے لوگوں کی گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں‘ جنہوں نے دولت کی تقسیم کا ایک غیر منصفانہ نظام قائم کیا ہوا ہے جس کے باعث ان کے پاس دولت کے انبار جمع ہو رہے ہیں چاہے دوسروں کو دو وقت کی روٹی بھی نہ مل رہی ہو‘ کیا وہ کبھی پسند کریں گے کہ استحصالی و ظالمانہ نظام ختم ہو جائے اور عدل وقسط کا نظام قائم ہو؟ شریعت خداوندی و میزانِ عدل نصب ہو جائے! ان کی عظیم اکثریت یہ تبدیلی بالکل پسند نہیں کرے گی۔ لیکن ان طبقات میں بھی کچھ سلیم الطبع لوگ ہوتے ہیں جو بیدار ہو جاتے ہیں‘ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ نظام غلط ہے‘ باطل ہے۔ چنانچہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کے نتیجہ میں خود آلِ فرعون میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔ قرآن حکیم میں ایک مؤمن آلِ فرعون کا ذکر موجود ہے۔ سورۃ المؤمن میں ان کی پوری تقریر نقل کی گئی ہے‘ جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے: ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗٓ﴾ (آیت:28) یہ صاحب جو آلِ فرعون کے اہم سرداروں میں سے تھے‘ فرعون کے دربار میں ان کا اونچا مقام تھا‘ ایمان لے آئے تھے! یہ اس لیے ہوا کہ ان کی انسانیت بیدار تھی۔ معلوم ہوا کہ ظالم اور استحصالی طبقات میں بھی کچھ سلیم الفطرت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب حق کی دعوت ان کے سامنے آتی ہے تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد ہمیشہ آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے‘ جبکہ عظیم اکثریت انہی لوگوں کی ہوتی ہے جو یہ چاہتے ہیں کہ حالات جوں کے توں (status quo) رہیں‘ تاکہ ان کے مفادات اور منفعتوں پر کوئی آنچ نہ آئے۔ جاگیرداری نظام ہے تو جاگیردار کبھی پسند نہیں کرے گا کہ وہ نظام ختم ہو جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام ہے تو سرمایہ دار کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ نظام ختم ہو جائے ...... لہٰذا چاہے سماجی ظلم ہو‘ چاہے معاشی ظلم ہو اور چاہے سیاسی ظلم ہو‘ ظالم طبقات کی عظیم اکثریت اپنے اس ظالمانہ نظام کی مدافعت اور محافظت (protection) کے لیے میدان میں آجاتی ہے۔

نائن الیون کا ڈراما آخری صلیبی جنگ کا آغاز ہے

افغانستان پر اتحادی یلغار

امریکہ نے کیا کھویا؟ کیا پایا؟

(II)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں

امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 9 ستمبر 2011ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[گزشتہ سے پیوستہ]

یہود گریٹر اسرائیل قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پوری دنیا کے مالی نظام کو اپنے کنٹرول میں لے کر پوری دنیا کے مالی نظام کی منفعت کو سمیٹنا اُن کے پیش نظر ہے۔ ان کا بینکنگ سسٹم کے ذریعے جو معاشی پروگرام ہے، یعنی ورلڈ بینک، آئی ایم ایف، TRIPS کا معاہدہ وغیرہ، اس سے ان کے پیش نظر یہ ہے کہ پوری دنیا مزدوروں میں تبدیل ہو جائے، وہ بس کام کریں اور جو کچھ ان کی یافت ہو وہ بینک کے سود کی شکل میں ہم کھینچ لیں۔ انہیں پوری دنیا پر حکومت نہیں کرنی، اس لیے کہ اگر وہ دنیا میں براہِ راست حکومت کریں گے تو دنیا میں بغاوت ہوگی، محکوم اُن کے خلاف بغاوتیں کریں گے۔ یہود لوگوں کو قتل کریں گے تو وہ بھی انہیں قتل کریں گے۔ اُن کا مطمح نظر پوری دنیا کا معاشی استحصال کرنا ہے، اور اس میں اصول یہ ہے کہ جیسے آپ گھوڑے کو تانگے میں جوت کر شام کو کچھ کمائی کرتے ہیں تو تھوڑا سا چارا، کچھ دال چنے گھوڑے کو بھی ڈالتے ہیں، تاکہ وہ اگلے روز جوتنے کے قابل ہو جائے، یعنی کچھ نہ کچھ subsistence level اس کو بھی دینا پڑے گا۔ لہٰذا یہودیوں کا اصول ہے کہ تم محنت مزدوری کرو، تمہیں اجرت مل جائے گی، لیکن اس کی ملائی ہم کھینچ لیں گے۔ یہودیوں کے اس پروگرام کو ان کی طرف سے گلوبلائزیشن کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہ ان کی سوچی سمجھی اسکیم ہے جس کی طرف وہ تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تمام ذیلی ادارے بھی اُن کے تابع ہیں اور انہی کی سکیم کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہود نے باقی دنیا کو تو اپنا تابع بنا لیا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے عیسائیوں کو بھی، جن سے انہیں سخت نفرت تھی، بالکل ٹریپ کر لیا، ان کے اندر سے دم نکال کر انہیں اپنا ''پالتو'' بنا لیا۔ اب یہود کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی کا مظہر ہے کہ کچھ عرصہ پہلے پوپ نے بھی کہہ دیا کہ آج کے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ حالانکہ اب تک عیسائیوں کا یہی موقف چلا آتا تھا کہ یہودی مسیح کے قاتل ہیں، مگر نئے حالات میں وہ ساری نفرتیں ختم ہو کر رہ گئیں اور یہ دونوں ایک ہو گئے۔ قرآن نے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا تو ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ یہ تمہارے دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ﴾ (المائدۃ:51)

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہوگا۔''

بہرحال یہودی منصوبے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمان ہیں۔ انہیں اصل خطرہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمانوں میں بھی جو سب سے زیادہ انہیں کھٹکتے ہیں وہ مسلمانانِ پاکستان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے خاتمے کے بعد جب اسرائیل جشن فتح منا رہا تھا، اس وقت کے اسرائیلی وزیراعظم بن گوریان نے کہا تھا، ہمیں عرب ورلڈ سے کوئی خطرہ نہیں، ہمیں خطرہ پاکستان سے ہے۔ اصل میں اس پورے خطۂ برصغیر سے، جہاں پر اسلام کا احیاء ہوا، اور اسلام کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں یہودی خوفزدہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس خطے میں اسلام کی جڑیں گہری ہیں۔ یہ خطہ صحیح معنوں میں دینی روایات، دینی جذبات اور دینی علوم کا نگہبان ہے۔ انہیں پاکستان بطورِ خاص کھٹکتا ہے اور اس کے باوجود کھٹکتا ہے کہ یہاں بالواسطہ انہیں کے ایجنٹ امریکیوں کی حکومت ہے۔ عملی طور پر یہاں امریکی سفیر وائسرائے کی صورت میں حکمرانی کرتا ہے۔ پاکستان بطورِ خاص خطرہ یہود کے لیے اس لیے ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر بنا۔ انہیں ڈر ہے کہ یہ کہیں اسلامی نظام کا نقطہ آغاز نہ بن جائے۔ یہ عالمی خلافت کی بنیاد اور اساس ثابت نہ ہو جائے۔ اس لیے کہ جب بن گوریان نے پاکستان کے خطرہ کی بات کہی تھی، ہم نیوکلیئر پاور نہیں بنے تھے، اور اب جبکہ ہم نیوکلیئر پاور بن گئے تو اور بھی زیادہ ان کا ٹارگٹ بن گئے ہیں۔ افغانستان پر حملہ بھی اسی لیے کیا گیا کہ طالبان کے دور میں وہ جہاد اور احیاء اسلام کا مرکز بن گیا تھا۔ اور یہود کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہی اسلام کا جذبہ جہاد اور جہادی عناصر ہیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ جہاد کا جو احیاء ہوا، اور ملت کے اندر بیداری کی جو لہر پیدا ہوئی ہے، اس میں روس کے خلاف ہونے والے جہاد افغانستان کا بڑا حصہ ہے۔ امریکہ نے اپنے مفاد کی وجہ سے افغان جہاد کو سپورٹ کیا، اُس کی پشت پناہی کی۔

جہادِ افغانستان کے ذریعے امریکہ کو روس کو شکست دے کر بدلہ لینے کا ایک موقع آ گیا تھا۔ امریکہ کو ویت نام میں جو شکست ہوئی تھی اس کے پیچھے روس تھا۔ روس کی پشت پناہی کی وجہ سے امریکہ کو وہاں ہزیمت اور ذلت اُٹھانی پڑی تھی۔ لہٰذا افغانستان پر روسی یلغار کے موقع پر امریکہ نے روس سے بدلہ لینے کے لیے ایک درجے میں جہاد کو پرموٹ کیا۔ اگرچہ پہلے پہل غیور افغان مسلمان خود روس کے خلاف کھڑے ہوئے، اس لیے کہ ان کے اندر مزاحمت کی بھرپور طاقت ہے، وہ جاندار قوم ہیں، تاہم بعد ازاں امریکہ کی آشیرباد سے پورے عالم اسلام سے جہادی قوتیں کھنچ کر افغانستان آئیں۔ جذبۂ جہاد سے سرشار لوگوں کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ ان کو مواقع دیئے گئے، سہولیات دی گئیں، ہتھیار دیئے گئے۔ امریکہ کی اس پالیسی سے اُس کا ایک مقصد تو حاصل ہوگیا کہ روس کو شکست ہوگئی، اور امریکہ زمین پر سول سپریم پاور بن گیا۔ البتہ جہاد افغانستان کی کامیابی کے نتیجے میں جو چیز صلیبیوں اور صیہونیوں کے لیے پریشانی کا باعث بن گئی، وہ یہ تھی کہ جہاد کا ''جن'' بوتل سے باہر آ گیا۔ اب وہ سوچنے لگے کہ اسے واپس اندر کیسے کیا جائے۔ افغانستان میں یہ تمام جہادی قوتیں اکٹھی ہوگئی تھیں، اور وہاں سے پورے عالم اسلام میں جذبۂ جہاد کی حرارت پھیل رہی تھی۔ لہٰذا یہ پلان بنایا گیا کہ سب سے پہلے اس کو ختم کرو۔ اِسی منصوبے کے تحت نائن الیون کا ڈرامہ رچا کر افغانستان پر حملہ کیا گیا۔ یہ بات ناقابل تردید شواہد کے ساتھ ثابت ہوچکی ہے کہ افغانستان پر حملہ کرنے کی پلاننگ نائن الیون سے بہت پہلے ہوچکی تھی۔ (طالبان دور کے وزیر خارجہ ملا وکیل متوکل نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں کھل کر یہ کہا ہے کہ اگر ہم اُسامہ کو امریکہ کے حوالے کر بھی دیتے تو بھی امریکہ نے افغانستان پر حملہ کرنا تھا۔ اِس لیے کہ اِس حملہ کا منصوبہ نائن الیون سے بہت پہلے نیروبی میں ہونے والے بم دھماکوں کے بعد ہی بنالیا گیا تھا۔ مرتب) نامور پاکستانی صحافی عابد اللہ جان نے اپنی کتاب Afghanistan: the genesis of the final crusade" میں ٹھوس دلائل کے ساتھ ثابت کی ہے کہ افغانستان پر حملے کی ساری پلاننگ پہلے سی کی گئی تھی۔

حضرات محترم! اس معرکہ حق و باطل میں فرنٹ پر تو امریکہ ہے، مگر اُسے push کرنے والے یہود ہیں جو ابلیس کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں۔ وہ کسی صورت جہاد اور نظام شریعت کو اُبھرتا نہیں دیکھ سکتے۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم 'ابلیس کی مجلس شوریٰ' میں ابلیس کی زبان سے کہلوایا کہا تھا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

شیطان اور اُس کے ایجنٹ یہود کو خطرہ ہے کہ کہیں احیائے اسلام کی چنگاری بھڑک نہ اُٹھے، لہٰذا اُس کو بھڑکنے اور شعلہ جوالہ نہ بننے دو۔ افغانستان میں یہ چنگاری بھڑک رہی تھی۔ ساری دنیا سے مسلمان وہاں جا کر جہاد کی ٹریننگ بھی لے رہے تھے اور شمالی اتحاد کے خلاف جہاد بھی جاری تھا۔ اسلامی حکومت قائم ہوچکی تھی۔ دورِ صحابہؓ کی یاد تازہ ہو رہی تھی۔ شریعت کے نفاذ کی برکات سامنے آرہی تھیں۔ اعدائے اسلام جہاد کے احیاء اور اسلامی شریعت کی روشنی کو کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ لہٰذا پلاننگ کی گئی کہ جہاد و شریعت کو قصۂ پارینہ بنا دیا جائے۔ اِسی کے لیے انہوں نے اتنا بڑا ڈرامہ رچایا، اور افغانستان پر یلغار کی گئی۔ افسوس کہ ہم بھی اس جنگ میں اسلام دشمن قوتوں کے فرنٹ لائن اتحادی بنے۔ ایک ایک مجاہد کو پکڑ پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا اور اس کے بدلے ڈالر بٹورے۔

افغانستان پر عالم کفر کی یلغار کے اثرات کیا ہوئے؟ امریکہ نے دس سالوں میں کیا کھویا کیا پایا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ امریکہ کے بیک وقت دو ٹارگٹس تھے: افغانستان اور پاکستان۔ افغانستان اس لیے ٹارگٹ تھا کہ وہ جہاد کی نرسری تھی اور عالمی سطح پر جہاد کا ایک بہت بڑا مرکز بن گیا تھا۔ پوری دنیا سے مسلمان وہاں آ کر ٹریننگ لے کر اپنے علاقوں میں جا رہے تھے۔ یہ جو القاعدہ کا نام لیا جا رہا ہے، اُس کے لیے بھی مواقع افغانستان ہی میں تھے۔ ورنہ اُن لوگوں کو اپنے ملکوں میں کہیں پناہ بھی نہیں مل رہی تھی۔ پاکستان ویسے تو

پریس ریلیز: 26 ستمبر 2011ء

امریکی دھمکیاں اور پاکستان دشمن رویہ قطعی طور پر غیر متوقع نہیں

ہم نے ایک اسلامی ملک کے خلاف کفار کی مدد کر کے جس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا، اُس کے ثمرات قوم کے سامنے آ رہے ہیں

حافظ عاکف سعید

امریکی دھمکیاں اور پاکستان دشمن رویہ قطعی طور پر غیر متوقع نہیں۔ البتہ ہمارے حکمرانوں کی آنکھیں اب کھل رہی ہیں۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے ایک بیان میں کہی۔ اُنہوں نے کہا کہ سابق صدر پرویز مشرف نے ایک اسلامی ملک کے خلاف کفار کی مدد کر کے جس گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا تھا اب اُس کے ثمرات قوم کے سامنے آ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حکومت کا معاملہ چھوٹے میاں سو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ والا ہے۔ اُس نے اِس بے مقصد اور بے چہرہ جنگ جسے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا گیا تھا، اُس میں زیادہ شدت سے حصہ لیا ہے اور دشمن جسے صلیبی جنگ قرار دے رہا تھا اُس میں اسلام کے دشمنوں کا ساتھ دیا۔ یہ اسلام کے ساتھ ہی نہیں پاکستانی عوام کے ساتھ بھی غداری تھی۔ انہوں نے کہا کہ دیر آید درست آید کے مصداق اگر حکومت اب بھی اپنے اصل دشمن کو پہچانتے ہوئے یہ فیصلہ کر لے کہ ہمیں صرف اور صرف حق و انصاف اور مسلمانوں کا ساتھ دینا ہے تو آج بھی قوم متحد ہو کر امریکہ کی دھمکیوں کے خلاف حکومت اور فوج کی پشت پر ہوگی اور یقیناً اللہ کی مدد بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ امریکا افغانستان میں نہتے مجاہدین کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اب ہمیں گیدڑ بھبکیاں دے رہا ہے۔ جب تک اُس کی ڈیڑھ لاکھ فوج افغانستان میں موجود ہے وہ پاکستان کے خلاف کسی فوجی ایکشن کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہمیں خطرہ ہے تو صرف اپنی سیاسی اور فوجی قیادت سے ہے۔ کہیں ایک بار پھر وہ خوفزدہ ہو کر یا ذاتی مفادات اور اقتدار کے تحفظ میں امریکہ کے سامنے گھٹنے نہ ٹیک دے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اب پاکستان امریکہ کے سامنے جھکا تو عوام کا فرض بنتا ہے کہ وہ میدان میں نکلے اور ایسی قیادت سے چھٹکارا حاصل کرے۔ وگرنہ حکومت اور عوام دونوں نتائج بھگتیں گے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان)

شروع سے اسلامی نظریے کی بنا پر یہ ان کے لیے خطرہ تھا۔ مگر جب سے وہ ایٹمی طاقت بنا، ان کا اولین ہدف بن گیا۔

یہ بات نہایت خوش آئند ہے کہ افغانستان کے حوالے سے امریکہ اور یہود انتہائی ناکام رہے۔ چنانچہ ساری دنیا کہہ رہی ہے کہ امریکہ کو دس سالوں کے بعد بدترین ہزیمت اُٹھا کر اب افغانستان سے بھاگنا پڑ رہا ہے۔ میں تو یہ کہتا رہا ہوں کہ مٹھی بھر طالبان اگر دس سال تک امریکہ کے سامنے کھڑے بھی رہتے، اور فتح مند نہ بھی ہوتے، تب بھی یہ بہت بڑی بات ہوتی۔ اس لیے کہ امریکہ تو انہیں چند دنوں میں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم لے کر آیا تھا۔ کہا جا رہا ہے کہ چند مہینوں میں طالبان اور جہادی قوتیں ختم ہو جائیں گی۔ ہمارے کمانڈو صدر بھی یہی کہا کرتے تھے۔ بہرکیف اب وہ افغانستان سے ذلیل وخوار ہو کر نکلنے پر مجبور ہو رہا ہے۔ اِسی لیے تو طالبان سے مذاکرات کی بھیک مانگی جا رہی ہے کہ کچھ باتیں ہماری مان لو، آؤ تو سہی، میز پر تو بیٹھو۔ پہلے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ افغانستان میں ہمارے مستقل اڈے رہیں گے، اب یہاں تک آ گئے ہیں کہ طالبان ہم سے صرف یہ معاہدہ کر لیں کہ اپنے اسلام کو افغانستان تک ہی رکھیں گے، اس سے باہر نہ لائیں گے تو ہم اپنی بقیہ فوجیں افغانستان سے نکال لیں گے۔ یہ اسلام دشمن قوتوں کی ہزیمت نہیں تو اور کیا ہے۔

پاکستان کے حوالے سے امریکہ اور دیگر طاقتوں کے جو عزائم تھے، اُن کو آگے بڑھانے میں وہ بہت حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ وہ پاکستان کو درجہ بدرجہ وہاں تک لے آئے ہیں کہ اُن کا خوفناک ایجنڈا بڑی آسانی سے پورا ہو سکے۔ پاکستان عالم اسلام کی واحد ایٹمی قوت ہے، جو سر اُٹھا کر چلنے کے قابل تھا، مگر آج ہم ذلیل وخوار ہیں۔ پوری دنیا میں ہماری ناک رگڑی گئی۔ یہاں تک کہ ہم مسلمان ممالک میں بھی سر اُٹھا کر نہیں چل سکتے۔ یہاں ان کے عزائم کس قدر پورے ہوئے، اس کا اندازہ خود حکومتی پارٹی کے رہنما ذوالفقار مرزا کے بیانات سے ہو سکتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا تھا ؎

نکل جاتی ہے جس کے منہ سے سچی بات مستی میں
فقیہہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

یہ سچی بات ذوالفقار مرزا کے منہ سے نکل گئی کہ امریکہ اور برطانیہ مل کر پاکستان کو توڑنے کی سازش کر رہے ہیں، اور ہمارے وہ ''راہنما'' جن کو اپنے لوگوں میں دیوتا کا مقام حاصل ہے، وہ امریکہ کے ساتھ پورے طور سے شریک ہیں۔ یہی بات والد محترم کہتے رہے کہ صوبائی عصبیتوں اور بعض دیگر عوامل کی بنا پر یہاں ایسے حالات پیدا کر دیے گئے ہیں کہ پاکستان کمزور ہوتا جائے۔ معاشی اعتبار سے تو ہم پہلے ہی بہت کمزور ہو چکے ہیں۔ سانحہ ایبٹ آباد کے بعد ہماری رہی سہی ساکھ بھی بُری طرح مجروح ہو چکی ہے۔ اب فوج کے لیے عوام کے دلوں میں وہ جذبات نہیں جو پہلے ہوا کرتے تھے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب کسی ملک کی فوج اور عوام کے درمیان دوری پیدا ہو جائے تو دشمنوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلتے ہیں کہ اب تو ہمارے مقاصد وعزائم بڑی آسانی سے پورے ہو سکتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے دشمن حاصل کر چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ دشمنوں کی سازش کے تحت ہو رہا ہے۔ اُن کی کوشش ہے کہ یہاں خانہ جنگی برپا کرا دیں۔ کراچی میں اس کی پوری تیاری ہو چکی تھی۔ اسلحہ کے ڈھیر سب نے لگا رکھے تھے۔ خیال تھا کہ جب ایک دفعہ بھرپور سول وار شروع ہو جائے تو پھر یو این او کو دہائی دیں گے، اور پھر فوج جو پہلے ہی بدنام ہو گئی ہے، اس کے ظلم کے چرچے عام کریں گے۔ اسی لیے تو مخلص لوگ کراچی میں فوجی آپریشن کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فوج کو بھیجنے سے سول وار شروع ہو جائے گی اور دہشت گرد اپنے پاس موجود ان ہتھیاروں کو جو وہ سالہا سال سے جمع کر رہے ہیں، استعمال کریں گے۔ پھر وہی قوتیں جو در پردہ امریکہ کے ساتھ ہیں، دہائی دیں گی کہ ہمیں پنجابی فوج سے بچاؤ، جو ہم پر ظلم کر رہی ہے۔ یو این او کو دہائی دی جائے گی۔ مجھے والد صاحبؒ کے الفاظ یاد آ رہے ہیں کہ نیٹو افواج اور انڈیا گِدھوں کی طرح منتظر ہیں کہ پاکستان شدید بدامنی اور خانہ جنگی کی لپیٹ میں آئے اور ہم یہاں پر ٹوٹ پڑیں، اور اِس ملک کے حصے بخرے کر دیں۔ 6 سال پہلے والد محترم نے ''کیا پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے'' کے عنوان سے ایک تقریر کی تھی۔ اِس تقریر میں انہوں نے انہی چیزوں کی طرف اشارہ کیا تھا کہ یہی ہونے جا رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تدبیر ہو تو وہ ہمیں بچا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کبھی کبھی کسی فاسق وگناہگار سے بھی لے لیتا ہے۔ شاید اللہ پاکستان کو بچانے کا اور موقع دے رہا ہو اور ذوالفقار مرزا نے یہ جو انکشافات کیے ہیں، اور جن سے پاکستان کے بحرِ سیاست میں سونامی آیا ہے، خدا کرے کہ اس کی وجہ سے ہی ہم لوگ بھی ہوش میں آ جائیں، جاگیں، نفاذ اسلام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، اور اس مقصد کے لیے صحیح راستے کو اختیار کریں۔ پھر شاید اِس ملک کی تباہی وبربادی ٹل جائے۔ لیکن نائن الیون کے حوالے سے اُن کی جو پلاننگ تھی، اس میں پاکستان کی حد تک وہ انتہائی کامیابی سے آگے بڑھے ہیں۔ اپنی توقع سے بھی زیادہ انہیں یہاں کامیابیاں ملی ہیں۔ دجالی قوتوں کو پچھلی ایک صدی کے دوران اگر پہلی بار ناکامی ہوئی ہے تو افغانستان میں ہوئی ہے۔ افغانستان بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں طالبانِ افغانستان کے ہاں۔ طالبان افغانستان کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ افغانستان میں حکومت کرزئی کی ہے۔ اور وہاں لسانی اور نسلی مسائل بھی موجود ہیں۔ وہ لوگ جو روس کے خلاف جنگ کرتے رہے ہیں آج کرزئی کی گود میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مزاحمت کرنے والے لوگ صرف یہ طالبان افغانستان ہیں، جنہوں نے واقعی اللہ اور اس کے دین کے ساتھ وفاداری کی۔ تمام تر رکاوٹوں کے باوجود اپنے ملک میں شریعت نافذ کی اور اسلام دشمن قوتوں نے جب اسلامی حکومت کے خاتمے کے لیے یلغار کی تو اُن کے سامنے ڈٹ گئے۔ اس معاملے میں کسی بات کو خاطر میں نہ لائے۔ انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اُن کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے سچی وفاداری ہی سب سے بڑی شے ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

طالبان کی اللہ سے وفاداری اور دشمن کے خلاف مزاحمت میں ہمارے لیے بہت بڑا سبق ہے۔ اگر آج ہم بھی اللہ کے اور اس کے دین کے وفادار بن جائیں تو اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو سکتی ہے۔ پھر امریکہ سے ہزار گنا بڑی قوت بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ قرآن عزیز کہتا ہے:

﴿اِنۡ یَّنۡصُرۡكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ یَّخۡذُلۡكُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡیَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۝۱۶۰﴾ (آل عمران)

''اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا قبلہ درست کرنے اور بحیثیت قوم جاگنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

☆☆☆

امریکہ کا ہدف، پاک افواج اور دینی مدارس

ضمیر اختر خان

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے جملہ معاملات میں امریکہ کا کتنا عمل دخل ہے، اب یہ کوئی راز نہیں ہے۔ نائن الیون کے بعد ہم جس طرح امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ وہ ہم سے ہر جائز و ناجائز مطالبہ کرے۔ یہ ملت اسلامیہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ اس کے پالیسی سازوں نے قیام پاکستان کے آغاز ہی سے امریکہ کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ لی، حالانکہ ہمارا رخ عالم اسلام کی طرف ہونا چاہیے تھا، جس کے تصور ہی سے گاندھی جیسے لوگوں کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔ ایک دفعہ بوکھلاہٹ کے عالم میں مسٹر گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا تھا: "Will you be heading towards Pan-Islamism?" اس پر قائداعظم نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا تھا: "Yes, I think so" اس کے بعد مسٹر گاندھی کی حالت دیکھنے والی تھی۔ مسٹر گاندھی کے لیے یہ ایک ڈراؤنا خواب تھا کیونکہ ہندو تو صرف ہندوستان تک محدود ہے جبکہ مسلم امت پورے کرۂ ارضی پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ خود امت مسلمہ فی زمانہ ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے اور اس کے افراد چھوٹے بڑے 57 ملکوں میں اپنی اپنی علیحدہ شہریتیں اور شناختیں اختیار کیے ہوئے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ قائد کا Pan-Islamism کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا تو اس سے ایک طرف ہمارے اندر امت پنا پیدا ہوتا اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران:110) کا مصداق بنتے جسے فی الوقت نظرانداز کرنے کی وجہ سے ہم ذلت و رسوائی کے گہرے غار میں گرتے جا رہے ہیں اور ستم یہ ہے کہ احساس زیاں بھی جاتا رہا۔ اللہ ہمیں عقل عطا فرمائے اور ہمیں اس ذلت و مسکنت سے نجات دلائے۔ آمین یارب العلمین۔

بات امریکہ کی پاکستان کے اندرونی معاملات میں بے جا داخلت کی ہو رہی تھی۔ اس وقت میں قوم کے سامنے بالعموم اور عسکری قیادت وعلماء کرام کے سامنے بالخصوص ایک امریکی یہودی، مسٹر سٹیفن فلپ کوہن (Stephen Philip Cohen) کی کتاب "The Idea of Pakistan" میں پیش کردہ لائحہ عمل اس درخواست کے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں کہ وہ اسلام اور ملک خداداد پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے اس پر توجہ دیں اور بروقت اقدامات کر کے امریکی عزائم کو خاک میں ملائیں، ورنہ بعد میں پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔ متذکرہ بالا کتاب لاہور کے ایک اشاعتی ادارے نے 2005ء میں شائع کی تھی۔ اس کتاب میں پاکستان کے حوالے سے امریکی عزائم کا کھل کر بلکہ واشگاف انداز میں اظہار کیا گیا ہے اور ان پر عمل درآمد کا طریق کار بھی تجویز کیا گیا ہے۔ من جملہ دیگر امور کے مسٹر کوہن نے امریکی پالیسی سازوں کو ایک روڈ میپ دیا ہے کہ جس پر چل کر امریکہ پاکستان کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ کوہن کا کہنا ہے کہ مکمل کامیابی کے لیے امریکہ کو پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات استوار رکھنے کی حکمت عملی اور اپنی ترجیحات میں دو معاملات کو سرفہرست رکھنا ہوگا۔ ایک پاک فوج کی اسلامی شناخت بالخصوص ریڈیکل اسلام اور دوسرا دینی مدارس جو ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پاک فوج کا اسلامی تشخص اور دینی مدارس کا جال امریکی عزائم کی تکمیل کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ جب تک ان دونوں کو راستے سے ہٹایا نہیں جاتا امریکی کاوشیں بے کار ہیں۔ چنانچہ اس نے زور دیا ہے کہ یہ امریکہ کے لیے آخری موقع ہے کہ وہ پاکستان کو ناکام ریاست (Failed State) بننے سے بچانے کے لیے فوری اقدامات کرے۔ صفحہ 328 پر وہ لکھتا ہے:

Ensuring army is kept away from radical Islam"

یعنی "فوج کو حرکی اسلام سے دور رکھنے کی یقینی کوشش کی جائے۔"

اور دوسرے اہم قدم پر

"Reforming education through secularization of curriculum, secularize education to replace madrassas."

"تعلیم کی بذریعہ لادینی نصاب اصلاح کی جائے، تاکہ یہ لادینی تعلیم مدارس کی جگہ لے سکے۔"

مسٹر کوہن ان دو محاذوں پر کام کا مقصد یہ بتاتے ہیں کہ اس سے پاکستان میں ایسی فضا قائم ہوگی جو امریکہ اور بھارت دونوں کے لیے موزوں ترین ہوگی۔ اس کے الفاظ ملاحظہ کیجیے "America should do this so as to ...shape Pakistan's environment as per American and Indian suiting."

اپنے اس ایجنڈے پر عمل درآمد کے لیے امریکہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک یہی دو بڑی رکاوٹیں ہیں جنہوں نے پاکستان کے اسلامی تشخص کو کسی درجے میں تا حال برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس ایجنڈے پر عمل کرنے کے لیے امریکہ کو مقامی گماشتے مل گئے ہیں جو حق نمک ادا کر رہے ہیں اور پاک فوج کے اسلامی تشخص اور دینی مدارس کے کردار کو مجروح کرنے کی مذموم کوششیں کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں ایک نام نہاد کالم نویس نے ایک کثیرالاشاعت روزنامے میں "فن سپہ گری کا زوال" کے عنوان سے کالم لکھا، جس کا لب لباب یہ ہے کہ جب سے پاک افواج میں دین اسلام کو رواج دیا گیا ہے (مراد ہے جنرل ضیاء الحق مرحوم و مغفور کا دور) تب سے پاک افواج کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں میں کمی واقع ہوئی ہے۔ ان برخود غلط کالم نویس نے عسکری قیادت سے اپیل کی ہے کہ پاک فوج میں فن سپہ گری کے فروغ کے لیے ضروری ہے کہ دین اسلام کے اثرات سے اس کو پاک رکھا جائے۔

قبل ازیں اس امریکی ایجنڈے پر عمل کا آغاز اس طرح ہوا تھا کہ ان جرنیلوں کو جو اسلامی تشخص کے بظاہر حامل نظر آتے تھے جنرل پرویز مشرف کے ذریعے کھڈے لائن لگایا گیا، جن میں جنرل عثمانی اور جنرل جمشید گلزار کیانی مرحوم نمایاں تھے۔ جنرل عزیز کو چیئرمین JCSC کے لولی پاپ سے بہلا کر کنارے کیا گیا اور ان جرنلوں کو آگے لایا گیا جو امریکی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے جنرل پرویز مشرف کے ہم نوا بن سکیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ موجودہ عسکری قائدین میں براہ راست امریکی ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے والا شاید کوئی نہیں ہے، مگر چالاک و مکار دشمن سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ عسکری قیادت کو اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ ہمارے فوجی کی سب سے بڑی تمنا شوق شہادت اور جذبۂ جہاد ہے اور یہی دو چیزیں اسے دنیا کے تمام فوجیوں پر برتری وفوقیت عطا کرتی ہیں۔ ان اوصاف کو پروان چڑھانے کا واحد ذریعہ دین اسلام ہے۔ یہ مبارک جذبے مادی ترغیبات وتحریصات سے وجود میں نہیں آتے۔ ان کا ایک ہی ذریعہ(Source) ہے اور بحیثیت مسلمان وہ صرف ہمارا پیارا دین اسلام ہے۔ ایمان، تقویٰ و جہاد فی سبیل اللہ جہاں مسلمان مجاہدوں میں جرأت، بہادری اور بے لوث قربانی جیسے اوصاف حمیدہ پیدا کرتے ہیں تو دوسری طرف دشمن کی سازشوں سے آگاہی اور بصیرت جیسی اعلیٰ خوبیوں کو بھی جنم دیتے ہیں۔

جہاں تک دینی مدارس کے کردار کا تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ جس طرح پاک افواج اس ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی محافظ ہیں بالکل اسی طرح دینی مدارس اس ملک خداداد کی نظریاتی سرحدوں کے رکھوالے ہیں۔ اگر قیام پاکستان کے بعد یہاں دینی مدارس قائم نہ ہوتے تو ہم کب کے لادینیت (Secularism) کی گود میں بیٹھ چکے ہوتے۔ امریکی دانشور پاکستان پر قابو پانے کے لیے بالکل وہی حربہ اختیار کر رہے ہیں جو برطانیہ نے لارڈ میکالے کے فلسفے کو اپنا کر برعظیم پاک و ہند کو اپنی کالونی بنانے میں اختیار کیا تھا۔ دینی مدارس کو دہشت گردی سے جوڑنا اور Madrassa reforms کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ امریکی سازش کا حصہ ہے۔ اللہ جزائے خیر دے محترم انور غازی کو جنھوں نے اپنی تالیف ”خیر کے مراکز یا دہشت گردی کے اڈے“ کے ذریعے دینی مدارس کے دفاع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فضلائے دینی مدارس کو اساتذائے کرام اس سازش سے آگاہ کریں اور ان کی تربیت اس انداز سے کریں کہ وہ پاکستان کو خلافت اسلامیہ بنانے میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ امریکی عزائم کو ناکام بنانے کا ایک ہی نسخہ ہے کہ ہم بلا تاخیر پاکستان میں نفاذ اسلام کی منزل کے حصول کے لیے سعی و جہد کریں۔ اس عمل میں علمائے کرام مل کر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں اور دینی مدارس کے فارغ التحصیل نوجوان طلبہ ان کی بھرپور معاونت کریں تو یہ خواب جلد شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

خطبہ پنجم: سیرت النبیؐ میں باطل سے تصادم کے تکمیلی مراحل

صلح حدیبیہ کی شرائط اور صحابہ کرامؓ کا اضطراب

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا فکر انگیز خطاب

اس معاہدہ کی بعض شرائط نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے لیے بظاہر نہایت سبکی کا باعث اور توہین آمیز تھیں۔ سہیل نے سب سے پہلے تو یہ شرط پیش کی کہ ہم یہ برداشت کر ہی نہیں سکتے کہ اس سال مسلمان عمرہ کریں۔ اس سال عمرہ کرنے کی اجازت دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ پورے عالم عرب میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ محمد (ﷺ) کی بات پوری ہوگئی اور قریش کو جھکنا پڑا اور ہتھیار ڈالنے پڑے۔ لہٰذا اس سال تو آپؐ کو یہیں سے واپس جانا ہوگا۔ البتہ اگلے سال آپ تشریف لے آئیے، ہم تین دن کے لیے مکہ کو خالی کر دیں گے، ہم پہاڑوں پر چلے جائیں گے اور مکہ آپؐ کی disposal پر ہوگا۔ آپؐ وہاں رہیے اور عمرہ کیجیے، مکہ والے وہاں رہیں گے ہی نہیں، تاکہ کوئی شخص جذبات سے مشتعل ہو کر کوئی اقدام نہ کر بیٹھے۔ اس تصادم کے امکان کو بھی روک دیا جائے گا۔ البتہ آپؐ کے ساتھ تلواریں اگر ہوں گی تو وہ نیام میں ہوں گی اور نیام بھی تھیلوں میں بند ہوں گے۔ تھیلے احرام کی حالت ہی میں ہاتھ میں رہیں گے۔ یہ نہیں ہوگا کہ تلواریں نیام میں ساتھ لٹکی ہوئی ہوں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ دس سال تک ہمارے اور آپؐ کے مابین بالکل امن رہے گا، کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ تیسری شرط یہ طے ہوئی کہ عرب کے دوسرے قبائل میں سے جو چاہے ہمارا حلیف بن جائے اور جو چاہے آپؐ کا حلیف بن جائے۔ فریقین کے حلیف بھی امن و امان سے رہیں گے اور ان کے مابین بھی جنگ و جدال بالکل نہیں ہوگی — بنوخزاعہ کے سردار بدیل بن ورقہ نے وہیں پر اعلان کیا کہ ہم محمد (ﷺ) کے ساتھ ہیں۔ ایک دوسرا قبیلہ بنوبکر، جس کو بنوخزاعہ سے پرانی دشمنی تھی، اس نے فوراً دوسرا رخ اختیار کر لیا کہ ہم اس معاہدہ کی رو سے قریش کے حلیف ہیں — معاہدہ کی چوتھی شرط مسلمانوں کے لیے بظاہر بہت توہین آمیز اور دل آزاری کا باعث تھی۔ وہ یہ کہ اگر مکہ کا کوئی شخص اپنے والی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ جائے گا تو مسلمانوں کو اِسے واپس لوٹانا ہوگا، لیکن مدینہ سے اگر کوئی شخص مکہ آجائے گا تو اسے ہم واپس نہیں کریں گے۔ یہ بڑی غیر منصفانہ (un-equal) شرط تھی جس پر سہیل بن عمرو کا اصرار تھا۔ صحابہ کرام ؓ اس پر بڑے جزبز ہوئے اور ان کے جذبات میں جوش و ہیجان پیدا ہوا کہ ہم یہ صورت کیوں گوارا کر رہے ہیں؟ ہم دب کر اور گر کر کیوں صلح کریں؟ ہم اِس وقت چودہ سو کی تعداد میں موجود ہیں اور ہمیں تو شہادت کی موت مطلوب ہے، ہم بیعت علی الموت کر چکے ہیں اور ہم سب کے سب کلمۂ حق کے لیے اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے تیار ہی نہیں، بے تاب ہیں۔ لہٰذا ہم ان شرائط پر صلح کیوں کریں جو سہیل منوانا چاہتے ہیں؟ یہ بظاہر احوال گر کر اور دب کر صلح کرنے کے مترادف معاملہ تھا — صحابہ کرام ؓ کے یہ جذبات تھے لیکن سب کے سب مہر بلب تھے۔

یہ معاہدہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ اِس دوران سہیل ابن عمرو کے بیٹے ابوجندل جو ایمان لے آئے تھے اور اِس کی پاداش میں گھر میں لوہے کی رنجیروں میں باندھے ہوئے تھے، انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ محمد (ﷺ) قریب آئے ہوئے ہیں، اور چند میل کے فاصلے پر حدیبیہ میں ہیں، تو انہوں نے جیسے تیسے اپنی زنجیریں تڑوائی، اور بیڑیوں سمیت حدیبیہ آ پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں گر پڑے۔ سہیل نے کہا کہ محمد (ﷺ) معاہدہ ہو چکا ہے، لہٰذا اِسے واپس کرو۔ حضور ﷺ نے کہا ابوجندل تم جاؤ۔ وہ رو پڑے۔ فریاد کی، مسلمانو،

مجھے پھر بھیڑیوں کے حوالے کر رہے ہو۔ حضور ﷺ نے کہا، دیکھو بیٹا، ہم معاہدہ کر چکے ہیں۔ ہمارے ہاتھ بندھ چکے ہیں۔

یہ وہ لمحات ہیں جن کے متعلق ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کے جذبات کا کیا عالم ہوگا! یہ وہ وقت ہے کہ دینی حمیت و غیرت کے باعث حضرت عمرؓ کا اضطراب اتنا بڑھا کہ ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر حضور ﷺ سے وہ مکالمہ کیا جو سیرت کی تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو قدرت کی طرف سے جلالی طبیعت و ودیعت ہوئی تھی۔ اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے بعد آپؓ کی اس کیفیت میں کافی اعتدال آ گیا تھا لیکن کبھی کبھار دین کی حمیت کے باعث اس جلالی طبیعت کا غلبہ ہو جاتا تھا۔ دراصل یہی سبب تھا کہ انہوں نے ذرا تیکھے انداز میں نبی اکرم ﷺ سے اس موقع پر گفتگو کی، جس کا ان کو ساری عمر تاسف رہا اور انہوں نے اپنے اس انداز گفتگو کے کفارہ کے طور پر نہ معلوم کتنی نفلی عبادات کی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا ''حضور ﷺ کیا آپ حق پر نہیں ہیں اور کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں؟'' نبی اکرم ﷺ نے مسکراتے ہوئے جواب میں ارشاد فرمایا: ''یقیناً میں حق پر ہوں اور میں اللہ کا نبی ہوں۔'' پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ''حضور ﷺ! پھر ہم اس طرح کا معاملہ کیوں کر رہے ہیں؟ کیا اللہ ہمارے ساتھ نہیں ہے؟؟'' حضور ﷺ نے پھر مسکراتے ہوئے فرمایا ''اللہ میرے ساتھ ہے اور میں اس کا نبی ہوں اور میں وہی کچھ کر رہا ہوں جس کا مجھے حکم ہے''۔ نبی اکرم ﷺ کا تبسم کے ساتھ جوابات کا انداز بتا رہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس انداز تخاطب سے آپ قطعاً ناراض نہیں ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے جوابات سن کر حضرت عمرؓ کو حضور ﷺ سے تو مزید کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی، لیکن طبیعت میں جو ایک تلاطم، ایک طوفان اور ایک ہیجانی کیفیت تھی وہ کسی قدر برقرار رہی۔ چنانچہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے جو اس وقت اس خیمہ میں موجود نہیں تھے۔ انؓ سے بھی اسی نوع کا مکالمہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا ''کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟'' انہوں نے فرمایا کہ ''کیوں نہیں، یقیناً ہم حق پر ہیں اور حضور اللہ کے رسول ہیں''۔ حضرت عمرؓ نے پھر وہی بات کہی جو حضور ﷺ سے عرض کر چکے تھے کہ ''پھر یہ کیا ہو رہا ہے اور ہم کیوں دب کر صلح کر رہے ہیں؟'' اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں بعینہٖ وہی الفاظ کہے کہ ''بے شک ہم حق پر ہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپؐ وہی کرتے ہیں جس کا آپؐ کو حکم ہوتا ہے''۔ یہ ہے مقام صدیقیت — اور یہ کہ نبی اور صدیق کے مزاج میں بہت قرب ہوتا ہے۔

صلح ہو جانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ ''اب اُٹھو، قربانی کے لیے جو جانور ساتھ لائے ہو ان کی یہیں پر قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو۔'' اس وقت مسلمانوں کے جذبات کا جو عالم تھا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا — یہ سیرت کا عجیب مقام ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک شخص بھی نہیں اُٹھا۔ جذبات کی یہ کیفیت تھی کہ گویا ان کے اعصاب و اعضاء بالکل شل ہو گئے اور ان میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہیں رہی، ان کے دل اس درجہ بجھے ہوئے تھے۔ ان کا جوش و خروش تو یہ تھا کہ وہ جاں نثاری اور سرفروشی دکھائیں اور اللہ کے دین کی راہ میں گردنیں کٹوا کر سرخرو ہو جائیں۔ روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کچھ ملول ہو کر اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، اور حضرت اُمّ سلمہؓ سے ذکر کیا کہ ''میں نے مسلمانوں سے تین مرتبہ کہا کہ اُٹھو، قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو۔ لیکن کوئی ایک شخص بھی نہیں اُٹھا'' — اس پر انہوں نے عرض کیا کہ حضور ﷺ آپ زبان سے کچھ نہ فرمائیے، آپؐ خیمہ سے باہر تشریف لے جائیے، قربانی دیجیے، اور حلق کرا کے احرام کھول دیجیے — نبی اکرم ﷺ نے اس مشورہ پر عمل کیا، باہر تشریف لائے، قربانی دی، سر کے بال منڈوائے اور اس کے بعد احرام کھول دیا۔ صحابہ کرامؓ نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو اب سب کے سب کھڑے ہو گئے، اور جو ہدی کے جانور ساتھ لائے تھے انہوں نے قربانیاں دیں اور تمام صحابہ کرامؓ نے حلق یا قصر کرایا اور احرام کھول دیے۔

اس صورت حال کی تاویل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ پر ابھی تک ایک حالت منتظرہ طاری تھی۔ وہ اس خیال میں تھے کہ شاید صورت حال بدل جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی وحی آ جائے!! — جب تک یہ صورت سامنے نہیں آئی کہ نبی اکرم ﷺ نے خود قربانی دینے اور حلق کرانے کے بعد احرام کھول دیا تو اُس وقت تک ان کے ذہنوں میں صورت حال کی تبدیلی کا ایک امکان برقرار تھا کہ جس کے وہ شاید انتظار میں تھے۔ لیکن جب نبی ﷺ نے احرام کھول دیا تو صحابہ کرامؓ جان گئے کہ یہی آخری فیصلہ ہے۔ چنانچہ حالت منتظرہ ختم ہو گئی اور سب نے احرام کھول دیے۔ عمرہ کی جو نیت کی ہوئی تھی اسے اگلے سال کے لیے مؤخر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ سے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ (جاری ہے)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

- ازروئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟
- ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟
- نیکی، تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس
(2) عربی گرامر کورس (III،II،I)
(3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز
قرآن اکیڈمی 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 35869501-3
E-mail: distancelearning@tanzeem.org

آلِ فرعون پر آنے والی آفات اور اہلِ پاکستان

حافظ محمد مشتاق ربانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے لیے دو اہم پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ ایک فرعون کو ہدایت کا راستہ دکھانا تھا، تاکہ وہ اللہ کو اپنا رب مان لے، اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلے، آلِ فرعون کو اپنی اطاعت کی بجائے اللہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا حکم دے، بغاوت کا راستہ چھوڑ کر اللہ کی بندگی کی طرف آجائے، سرکشی کی بجائے عبدیت اختیار کرلے، اپنی ذات کی نفی کرکے اللہ کی کبریائی اور عظمت کا اعتراف کرے۔ دوسرا پیغام یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کرے، انہیں جینے کا پورا پورا حق دے۔

ان دونوں پیغامات کو فرعون نے جھٹلا دیا۔ توحید کی بجائے اس نے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ؁﴾ (النازعات:24) ''میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں۔'' کا نعرہ بلند کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان اور ان کی اطاعت اختیار کرنے کی بجائے انہیں جادوگر کہا، بلکہ ان پر ایمان لانے والوں کو سخت دھمکایا اور عملی طور پر انھیں طرح طرح کی وحشیانہ سزائیں دیں۔ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کی بجائے ان کی غلامی کی زنجیروں کو مزید کسا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے قبل جس طرح اذیت کی زندگی گزار رہے تھے، بعثت کے بعد بھی ان کی حالت ویسی ہی رہی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلسل دعوت و تبلیغ سے جب فرعون اور اس کی آل نے اپنا طرزِ زندگی اور ثقافت کو نہ بدلا، تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھنجھوڑنے کے لیے ان پر کئی آفات بھیجیں، تاکہ وہ راہِ ہدایت پر آجائیں۔ وہ آفات و مصائب ذیل میں ذکر کیے جارہے ہیں۔

سِنین (قحط سالی)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ؁﴾ (الاعراف:130)

''اور ہم نے آلِ فرعون کو قحط اور پھلوں کے نقصان میں پکڑا، تاکہ نصیحت حاصل کریں۔''

سنین سنة کی جمع ہے سنة کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی سال ہے، اور دوسرا قحط ہے۔ یہاں دوسرا معنی مراد ہے۔ گویا ان کے لیے اناج اور غلہ نایاب ہوگیا اور بھوک عام ہوگئی۔

نقص الثمرات (پھلوں کی کمی):

آلِ فرعون کے لیے نہ صرف غلہ نایاب ہوگیا بلکہ جو میوہ جات اور پھل تھے اس میں بھی کمی آگئی۔ یہ صورتِ حال اس لیے پیدا کی گئی، تاکہ وہ اپنی سرکشی والی زندگی سے باز آکر اللہ کی طرف لوٹ آئیں۔ مصائب کے یہ جھٹکے ان کو توبہ پر آمادہ کرنے کے لیے تھے لیکن انہوں نے اس جانب مطلق توجہ نہ دی۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ یہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔ وہ ان مشکلات و مصائب پر قابو پانے کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے اس جانب نہ سوچا کہ عذاب کے یہ جھٹکے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کا نتیجہ بھی ہوسکتے ہیں۔ وہ تو الٹا یہ سمجھتے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کی موجودگی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔ جب ان کے حالات درست ہوجاتے تو کہتے کہ یہ ہماری بہترین پلاننگ کا نتیجہ ہے اور جب مصیبت آتی تو اس کا موسیٰ اور ان پر ایمان لانے والوں کو ذمہ دار ٹھہراتے۔

قحط سالی اور پھلوں کے نقصان کے علاوہ ان پر پانچ انواع کی آفات آئیں۔ یہ آفات یکبارگی نہیں آئی تھیں بلکہ ایک کے بعد دوسری آئی، اسی لیے انھیں ''ایت مفصلت'' کہا گیا۔ ان آفات سے گزر کر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اور اپنی اصلاح کی جانب انہوں نے کوئی قدم نہ اُٹھایا۔ انہوں نے اگر کوئی قدم اُٹھایا بھی تو تکبر میں آگے بڑھے۔ وہ تو اس کو موسیٰ علیہ السلام کی جادوگری سمجھتے تھے وہ اصل میں ایک مجرم قوم تھی جنھیں بزعم خوش اپنی اصلاح کی ضرورت نہ تھی۔ ارشاد ہے:

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۣ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ؁﴾ (الاعراف:133)

''تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کتنی کھلی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی مجرم۔''

اس آیت میں پانچ آفات کا ذکر ہوا ہے، جنھیں اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

طوفان (شدید بارش):

اس طوفان میں تیز آندھی، رعد، کڑک اور اولوں کا برسنا شامل تھا۔ طوفان لفظ ہی ایسا ہے جس میں وحشت اور خوف ہے۔ اس سے تمام نظامِ زندگی متاثر ہوجاتا ہے۔ انسان اور جانور کیا، فصلیں تک تباہ ہوجاتی ہیں۔ بعض مفسرین نے طوفان سے مراد موت لی ہے۔

جراد (ٹڈی دَل)

''جرادُ'' کا واحد ''جرادۃ'' ہے۔ اس ناگہانی آفت سے ان کی فصلیں تباہ ہوگئیں۔ ان ٹڈیوں نے ان کے تمام علاقے کو گھیر لیا جس سے ساری سرسبزی وشادابی ختم ہوگئی۔

قمل (جوئیں)

اس کا واحد قملة یا قامل ہے۔ اس سے مراد جوئیں یا چچڑیاں ہیں، یا وہ کیڑا ہے جو گیہوں وغیرہ میں لگ جاتا ہے، جس سے غلہ خراب ہوجاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں جھنجھوڑنے کے لیے اُن کے بدن اور کپڑوں میں جوئیں اور چیچڑیاں پڑگئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔

ضفادع (مینڈک):

اس کا واحد ضفدع ہے۔ آلِ فرعون کا پورا علاقہ مینڈکوں سے بھر گیا۔ گھروں اور عوامی مقامات میں ہر جگہ مینڈک نکل آئے۔ اُن کی اتنی کثرت ہوگئی کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جس سے زندگی اجیرن ہوگئی تھی۔

دم (خون):

ان کی ہر جگہ پر خون پیدا ہوگیا۔ ان کے برتن جھیلیں اور تالاب خون سے بھر گئے۔

ان مفصل آیات کو دیکھ کر ان میں ذرا بھی تضرع اور عاجزی پیدا نہ ہوئی۔ ان پانچ انواع کی آیات

(طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم) کو رجز سے تعبیر کیا گیا ہے)۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ (الاعراف:134) ’’اور جب ان پر رجز واقع ہوتا‘‘۔ اس سے آگے فرمایا: ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ﴾ (الاعراف:134) ’’پھر جب ایک مدت کے لیے ہم ان سے رجز دور کر دیتے‘‘۔ رجز کا ترجمہ عام طور پر ’’عذاب‘‘ سے کیا گیا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے ’’رجز‘‘ سے مراد طاعون لیا ہے، جس سے ان کی بے شمار ہلاکتیں ہوئیں۔ وہ ہر رجز اور آیت کو دیکھ کر استکبار کرتے اور ساتھ ہی وہ یہ کرتے کہ جب کوئی آفت آتی تو موسیٰ علیہ السلام سے کہتے کہ اس کو ہمارے سے ہٹا دو، ہم آپ پر ایمان لائیں گے، اور بنی اسرائیل کو آزاد کر کے آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ ان کے اس عہد کرنے پر جب اس مصیبت کو ہٹا دیا جاتا تو وہ نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو آزاد چھوڑتے۔ وہ اپنے کیے ہوئے وعدے سے عذاب کے چھٹنے کے ساتھ ہی منحرف ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا آخر کار غضب بھڑک اُٹھا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے دریا میں غرق کر دیا۔ ارشاد ہے:

﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ﴾ (الاعراف 136)

’’تو ہم نے ان سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے۔‘‘

فرعون اور آلِ فرعون بنی اسرائیل کو بہر صورت غلام بنائے رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو رات کے کسی پہر میں نکال کر لے گئے تو فرعون ان کی اس آزادی پر برہم ہوا اور اس نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل دریا پر پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ پیچھے فرعون کا لشکر آ رہا ہے تو بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں تسلی دی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنا عصا دریا میں مارو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا تو دریا میں راستے بن گئے۔ بنی اسرائیل اس میں سے گزر گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی دریا کے کنارے ٹھہرا نہیں کہ وہ ذرا اس معجزے پر سوچ لے بلکہ وہ بالکل غافل ہو کر دریا میں بنے ہوئے راستے میں دوڑنے لگا کہ جلدی سے بنی اسرائیل کو دوبارہ قید کر لیں۔ چنانچہ جب تمام لشکر دریا میں آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا کہ اے دریا جیسے تو پہلے رواں تھا اسی طرح دوبارہ رواں ہو جا۔ دریا چل پڑا۔ فرعون کا لشکر غرق ہو گیا۔ فرعون نے ڈوبتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لیے کہا لیکن اس کے ایمان لانے کا وقت گزر چکا تھا البتہ اس کے بدن کو اللہ تعالیٰ نے آیت (نشانی) کے طور پر بچا لیا۔

غرق ہونے سے پہلے آلِ فرعون پر جو آفات آئیں وہ اس لیے تھیں کہ آلِ فرعون ان کو دیکھ کر سنبھل جائیں لیکن انہوں نے اپنی اصلاح نہ کی۔ اسی طرح آج ہم کئی طرح کے مسائل سے دوچار ہیں۔ ہم ان سے بچنے کی تدابیر اور طریقے ڈھونڈتے ہیں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرتے ہیں، ان کے لیے ضروری سامان مہیا کرتے ہیں، جو کہ اچھی بات ہے اور کرنا بھی چاہیے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اس کی جناب میں توبہ نہیں کرتے۔ اور پیہم بدعملی کا شکار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ان سے بچاؤ کی تدابیر کے ساتھ اللہ سے وابستگی پیدا کر لیں۔ اس سے تعلق استوار کر لیں۔ پھر ہم صحیح معنوں میں عذابوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ضرورت رشتہ

☆ اسلام آباد میں مقیم رفیق تنظیم اسلامی کو اپنی بیٹی عمر 25 سال، تعلیم بی اے اسلامک اسٹڈیز (آن لائن) کے لیے دینی مزاج اور اچھا اخلاق رکھنے والے تعلیم یافتہ حلال روزگار کے حامل نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: معرفت مدثر رشید: 0321-5256360

☆ کراچی میں رہائش پذیر گھرانے کی بیٹی، امور خانہ داری میں ماہر، صوم وصلوٰۃ کی پابند، خلع یافتہ (سات سالہ بیٹی ساتھ ہے) کے لیے دینی مزاج کا حامل (ترجیحاً رفیق تنظیم کا) رشتہ درکار ہے۔ پہلی بیوی نہ ہونے کی صورت میں عقد ثانی کے خواہشمند بھی رجوع کر سکتے ہیں۔ رابطہ: 0346-6053967، ای میل: muslimadam313@yahoo.com

☆ واہ کینٹ میں رہائش پذیر سید گھرانے کو اپنی دو بیٹیوں، عمر 28 سال، ایم فل عربی لٹریچر، اور عمر 27 سال، کمرشل لاء کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ برسرِ روزگار رشتوں کی تلاش ہے۔

برائے رابطہ: 0334-8531071

خلافت فورم

تاریخ کے اِس نازک موڑ پر دینی جماعت کے سربراہ کا قوم کے نام اہم پیغام

☆ دس سال تک ہم امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی رہے۔ اب وہ ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے۔ ایسا کیوں ہوا اور ہم اُس کے سامنے کیسے کھڑے ہو سکیں گے؟

☆ پاک فوج اور ISI کے خلاف بیانات گیدڑ بھبکیاں ہیں یا امریکہ واقعتاً پاکستان کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کرنے والا ہے؟

☆ کیا حقانی گروپ واقعتاً پاکستان میں CIA کی پیداوار ہے۔ اس بارے میں حقائق کیا ہیں؟

☆ پارلیمنٹ کی موجودگی میں امریکی دھمکیوں کے خلاف قومی اتفاق رائے پیدا کرنے کے لیے کل جماعتی کانفرنس کا کیا جواز ہے؟

☆ سابق افغان صدر برہان الدین ربانی کے قتل میں کون سی تنظیم ملوث ہے؟

☆ کیا انڈیا اس کشیدہ صورتِ حال سے فائدہ اُٹھائے گا اور کیا پاکستان دو محاذوں پر لڑنے کی پوزیشن میں ہے؟

ان سوالات کے جوابات تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ
www.tanzeem.org "خلافت فورم" میں دیکھئے

مہمانانِ گرامی: حافظ عاکف سعید (امیر تنظیم اسلامی پاکستان)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی پاکستان)

میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء و تجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

پیشکش: شعبہ سمع و بصر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور نوجوان نسل

ڈاکٹر فرید احمد پراچہ

جوانی وہ عرصہ حیات ہے کہ جس میں انسان کے قویٰ مضبوط، ہمتیں جوان اور حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ اس کی رگوں میں خون بجلیاں بن کر دوڑتا ہے اور وہ پہاڑوں سے ٹکرانے کا عزم رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل اور ہر دور کے مصلحین کی انقلابی پکار پر نوجوانوں نے ہی سب سے زیادہ توجہ کی ہے۔ آج بھی دنیا بھر میں نوجوان نسل متحرک، فعّال اور مؤثر کردار ادا کر رہی ہے۔ قومی تحریکیں ہوں یا سیاسی انقلابات اس قوت کی کارفرمائی ہر جگہ نمایاں ہے۔ بعض مقامات پر تو فکری و عملی رہنمائی کا کام بھی نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔ آئیڈیل پرستی کی وبا میں نوجوان کسی ایسی شخصیت کو ہیرو تسلیم کرتے ہیں جو عمر کے لحاظ سے ان ہی کے گروپ سے تعلق رکھتی ہو۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، شیخ احمد یاسینؒ اور امام خمینیؒ وہ شخصیات ہیں جو اس عام اصول کے برعکس اپنی عمر کے نسبتاً دور کہولت میں نوجوانوں کے آئیڈیل اور امام بنے۔ آج دنیا بھر کے مسلمان نوجوانوں کے دل سید مودودیؒ کی فکر سے روشن اور ان کے دیئے ہوئے جذبہ سے زندہ ہیں۔ مولانا محترم کی شخصیت کا کمال ہے کہ جب وہ نوجوان تھے تو انہوں نے اپنے وقت کے بزرگ رہنماؤں کو متاثر کیا اور ان سے خراج عقیدت وصول کیا۔ یہ وہ دور تھا جب قوم کی رہنمائی کے لیے جلیل القدر شخصیات موجود تھیں اور آج کی طرح قحط الرجال نہ تھا۔ بزرگوں کے اتنے وسیع مجمع میں اکیس برس کا ایک نوجوان نمایاں ہو گیا کہ امت مسلمہ کو پیغام زندگی عطا کرنے والے علامہ اقبال کی نگاہ بھی یہیں آ کر ٹھہری۔ مولانا محمد علی جوہر نے بھی اس نوجوان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا۔ جمعیت علمائے ہند کے عالی مرتبت رہنماؤں نے بھی اس نوجوان کی فکر اور تحریروں پر یوں اعتماد کیا کہ اپنے نمائندہ پرچے کے لیے اسے مدیر مقرر کیا۔ علامہ اقبال کی دعا کے مطابق یہ جوان پیروں کا استاد بن گیا۔ اس طرح نوجوان ابوالاعلیٰ نے نوجوانوں سے بڑھ کر بزرگوں کو متاثر کیا اور پھر معمر ابوالاعلیٰ نے بزرگوں سے بڑھ کر نوجوانوں کے دلوں کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جدید تعلیم اور جدید ذہن رکھنے والے نوجوانوں نے ایک دینی پیشوا کو مرکز عقیدت کیسے بنا لیا۔ اس سوال کے جواب میں ہی سید مودودیؒ کی عظمت پنہاں ہے۔

یوں تو مولانا محترم کے اخلاق و کردار کے کئی پہلو نمایاں ہیں، تاہم یہاں ان کی چند صفات کا تذکرہ مقصود ہے۔ جس سے نوجوان نسل بطور خاص متاثر ہوئی۔ مولانا مودودی کی اہم خصوصیت جس نے نوجوان نسل کو متاثر کیا وہ ان کے انقلابی نظریات اور قول و عمل کی ہم آہنگی ہے۔ اسلام دین عمل ہے اور حیات انسانی کا مقصد اچھے اعمال کی افزائش ہے۔ مولانا مودودی کی اسی صفت نے نوجوانوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا کہ ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ انہوں نے جو کہا اس پر خود بھی عمل کیا۔ استقامت پر صرف تحریریں ہی نہیں لکھیں بلکہ معافی طلب کرنے کی بجائے تختہ دار پر چڑھنا قبول کر کے استقامت کی عملی تشریح بھی کی۔ صبر پر قرآن و حدیث کی تعلیمات ہی بیان نہیں کیں، گالیوں کے جواب میں سکوت اختیار کر کے صبر کا مفہوم بھی واضح کیا۔ اتحاد و اتفاق کی قولی تشریح ہی نہیں کی، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کر کے اسے عملی جامہ پہنایا۔ مولانا محترم کی سیرت کا یہی پہلو ان کی امتیازی صفت ہے کہ چلیپائی یا مصری شاعری کے اس بند کی طرح جسے اوپر سے نیچے یا نیچے سے اوپر کی طرف پڑھیں اور دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں پڑھیں اس کا لہجہ اور اس کے معنی ہر حال میں ایک ہی رہیں گے۔ ان کی سیرت بھی ہمہ پہلو مثبت اور مؤثر رہی۔

مولانا کی دوسری صفت جس نے نوجوانوں کو متاثر کیا وہ ان کی ثابت قدمی ہے۔ اپنی شعوری زندگی سے انہوں نے اپنے لیے جس راستے کا انتخاب کیا، موت کی آخری ہچکی تک وہ اس پر قائم رہے۔ مولانا محترم نے دین اسلام کی اس ثابت قدمی سے خدمت انجام دی کہ بالآخر وہ موجودہ دور میں اسلام کی ایک علامت بن گئے۔ اسلام کے حوالے سے ہونے والی ہر گفتگو کا نقطۂ آغاز اور نقطۂ اختتام مولانا مودودی بن گئے۔ یہ ان کے قرآن و سنت سے حقیقی تعلق کا اعجاز تھا۔ وہ ہر موقع پر اسلام کی بات کرتے اور جہاں قرآن و حدیث کے حوالے سے نقطۂ نظر واضح کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی انہوں نے بلا خوف و خطر اور بلا مصلحت اسے واضح کیا اور اس وضاحت میں الفاظ کی نرمی، مصلحت کے تقاضوں یا کسی رو رعایت کو مدنظر نہیں رکھا۔ مختلف انداز کے حکمران آئے جنہوں نے اپنے اپنے مفادات کے لحاظ سے اقدامات کیے۔ ان کے ایسے تمام اقدامات کے خلاف جو قرآن و سنت اور طریق صحابہؓ کے خلاف تھے مولانا مودودی کی آواز بلند ہوتی رہی۔ مولانا مودودی نے جھکنے کی بجائے دوسروں کو اللہ کے سامنے جھکانے کو اپنا طرز زندگی قرار دیا۔ سچ ہے کہ ایک خدا کے سامنے جھکنے والے کو پھر کسی اور کے سامنے جھکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ گویا کہ ؎

کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچوں میں ڈھل گئے
کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچے بدل گئے

مولانا محترم اسلام کی یوں علامت بنے کہ مغرب و مشرق سے اٹھنے والی اسلامی تحریکوں نے انہیں اپنا قائد تسلیم کیا۔ ان کی فکری رہنمائی کو اپنے لیے ایک نعمت خیال کیا۔ مولانا کی تیسری صفت یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے جرات مندانہ اور پر اعتماد طرز عمل اختیار کیا۔ نوجوانوں کو اعتماد عطا کیا کہ اسلام ہی دنیا کی متحرک اور فعال قوت ہے، جو زمانے کی رہنمائی کر سکتا ہے اور زندگی کے ہر موضوع پر بھرپور رہنمائی عطا کرتا ہے۔ اس اعتماد نے دنیا کے ہر نظام کے مقابلے میں مسلمان نوجوانوں کو ڈٹ جانے اور اسے شکست دینے کا جذبہ بخشا۔ مغربی تعلیم کے اثرات کی بدولت ایک بڑا طبقہ اسلام کو جامد، رجعت پسندانہ اور محض عبادات کا دین سمجھتا تھا۔ مولانا محترم نے اسے دین عمل اور نظام حیات کے طور پر منطق کے ساتھ پیش کیا کہ اب

دنیا بھر سے اسلام کو بحیثیت نظام زندگی اپنانے کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔

مولانا مودودی کی چوتھی صفت ان کی مجتہدانہ بصیرت اور محققانہ نظر ہے۔ وہ قرآن و حدیث کے براہ راست مطالعہ اور متقدمین کے تحقیقی کام کی مدد سے دورِ حاضرہ کے مسائل کا ایسا حل پیش کرتے ہیں جو دل و نگاہ کو اپیل کرتا ہے۔ تحقیق ایک مشکل ترین گھاٹی ہے جس پر چڑھنا اور پار اترنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ مولانا محترم نے بالکل صحیح فرمایا کہ میں نے تحقیق کے لیے اپنے جسم کو لوہے کے چنے چبوائے ہیں۔ مولانا نے صرف تحقیق ہی نہیں کی، کارِ تجدید بھی سرانجام دیا، جیسا کہ ایمرسن نے کہا ہے:

> ''ہم افلاطون اور ملٹن سے جو بلند ترین خوبی منسوب کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھی ہوئی کتابوں اور روایات کے علاوہ سوچا۔ وہ کیا جو انہوں نے خود سوچا۔ اپنے ذہن میں از خود نمودار ہونے والی روشنی کی اس کرن کو دیکھا جو تابانی میں شعرا اور صوفیا سے بڑھ کر ہے۔''

مولانا مودودی نے بھی اسی طرح تحقیق کا حق ادا کیا مگر ان کی تحقیق کی حدود متعین ہیں، یعنی قرآن و سنت۔ اس سلسلہ میں بہترین مثال ان کی عظیم تفسیر قرآن ''تفہیم القرآن'' ہے جس نے پڑھے لکھے افراد کے لیے قرآن فہمی سہل کر دی۔ مولانا محترم کی شخصیت نوجوانوں کے سامنے ایک ایسے محقق کے روپ میں آتی ہے جس نے تنقید برائے تنقید نہیں کی بلکہ وہ مغربی تہذیب، سرمایہ دارانہ نظام اشتراکیت اور دیگر غلط نظام ہائے زندگی کی جڑوں تک اتر کر اور ان نظاموں کے پیروکاروں سے زیادہ اسے سمجھ کر اس پر اسلامی نقطہ نظر سے یوں تنقید کرتے ہیں کہ اسلام کی بالاتری بلکہ بالادستی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔

مولانا کی پانچویں صفت یہ ہے کہ انہوں نے شکست دینے کے بجائے جیت لینے کو اپنی زندگی کا مشن قرار دیا۔ شکست دینا بہت آسان ہے لیکن جیت لینا بہت مشکل۔ مولانا نے انسان فتح کیے۔ ان کے قلم میں اتنی طاقت اور ان کی تحریک میں اتنی شدت تھی کہ وہ چاہتے تو اپنے مخالفین کو پل بھر میں شکست دے سکتے تھے مگر انہوں نے مخالفین کو بھی فتح کیا۔ انہیں بیمار سے نہیں بیماری سے نفرت تھی۔ چنانچہ وہ خدا کی راہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے بلاتے رہے۔ انہوں نے اصلاح احوال کے وہ حقیقی اور نفسیاتی طریقے اختیار کیے جن کی تربیت انہیں قرآن و حدیث کے ذریعے اور پیغمبرانہ طریق دعوت اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ مبارکہ سے حاصل ہوئی تھی۔ لوگ ان کے سامنے ان کے مخالفین کی تقریریں، الزامات اور بہتانات دوہراتے رہے لیکن مولانا کا سب کے جواب میں ایک ہی انداز تھا'' میں نے اپنا مقدمہ خدا کی عدالت میں درج کروایا ہے۔ میں کسی گالی کا جواب گالی سے نہیں دے سکتا۔ میرا اپنا طریق کار اور ان کا اپنا طرزِ عمل ہے۔ وہ قیامت کے دن اپنے رویے کے خود جوابدہ ہوں گے۔'' یہ وہ جواب تھے جو سید محترم گالیوں اور بہتانات کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے، قرآن پاک کے اس ارشاد کے عین مطابق کہ ''جب جاہلوں سے واسطہ پڑے تو سلام کہہ دو''۔

مولانا نے صرف فکر کی روشنی ہی فراہم نہیں کی بلکہ ایک عملی تحریک برپا کی۔ جس طرح دھرتی ایک بیج کو شاخوں پتوں اور لاکھوں بیجوں میں تقسیم کر دیتی ہے اسی طرح مولانا نے اپنے افکار کو متحرک افراد کی صورت میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کے ارد گرد ایسے جانبازوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا جنہوں نے دنیوی مفادات، اپنے روشن مستقبل، اپنے تابناک ماضی، اپنے معاشی فوائد، اپنے کنبے اور برادری غرضیکہ سب کچھ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی اس تحریک پر تج دیا۔ قیادت کا ایک نیا تصور اور پارٹی میں شمولیت کا ایک نیا معیار قائم کیا۔ دنیوی لحاظ سے کچھ نہ حاصل کرنے کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والا یہ گروہ سید مودودیؒ کی تحریروں کی چمک سے روشن ہے۔ ایمرسن نے سید مودودیؒ جیسے قائدین کے لیے ہی کہا ہے:

> ''جب کوئی شخص ایک مستحکم اخلاقی جذبے کے ساتھ لوگوں کے سامنے آتا ہے اور ذاتی اعزازات یا مفاد کے مقابلہ پر صداقت، انصاف اور خدمت خلق کو ترجیح دینے لگتا ہے تو لوگ اس فرد کی اس برتری اور فوقیت کو محسوس کر جاتے ہیں۔ ایسے شخص سے جن لوگوں کو واسطہ پڑتا ہے وہ مسرت اور امید کی رفعتوں کو چھو لیتے ہیں۔ ایسا شخص جس جگہ اور جس سرزمین پر ایستادہ ہوتا ہے وہ روشن اور درخشاں ہو جاتی ہے۔ عظیم افراد ہمارے لیے اسی طرح مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں جس طرح انقلاب اور بغاوتوں سے بری حکومتوں کی اصلاح احوال ہوتی ہے۔ اگر یہ عظیم افراد نہ آتے تو زندگی بندھے ٹکے اصولوں کا نام ہو کے رہ جاتی اور ایک جامد اور غیر متحرک صورت اختیار کر جاتی اور یہاں تک کہ اس کا خاتمہ ہو جاتا۔''

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاء اللہ العزیز

''جامع مسجد الھدیٰ گلی نمبر 24-A پیپلز کالونی ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی'' میں

مبتدی تربیتی کورس

16 تا 22/اکتوبر 2011ء

(بروز اتوار نماز عصر تا بروز ہفتہ نماز ظہر)

کا انعقاد ہو رہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ رفقاء اس میں شامل ہوں

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: راجہ محمد اصغر 0333-5382262

المعلن: مرکزی شعبہ تربیت: (042)36316638-36366638
0333-4311226

امریکی دھمکیاں......ایسے یاروں سے دوریاں بہتر

پروفیسر خباب احمد خان

فوبیا(Phobia) ڈر، خوف، اندیشے، مخالفت اور دشمنی کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ڈر اور خوف کی وہ حالت ہوتی ہے، جو بنیادی طور پر ایسے خوف سے پیدا ہوتی ہے، جو خطرے اور خوف کے اصل سے زیادہ ہوتی ہے۔ حالت خوف کی تشخیص کسی ردعمل یا براہ راست تجربے کے ذریعے کی جاسکتی ہے، جو ملتی جلتی صورت حال میں پیش آئے۔ بعض افراد کسی چیز کو دیکھ کر خوف زدہ ہوجاتے ہیں، مثال کے طور پر مشہور فاتح جرنیل نپولین بوناپارٹ بلی سے ڈر جاتا تھا۔ اسی طرح کئی لوگ پانی، تاریکی یا بارش اور بعض دوسرے مظاہر فطرت سے خوف کھاتے ہیں۔ یہ ایک نفسیاتی مرض ہے۔ دیکھا جائے تو ان دنوں امریکا اسی نفسیاتی مرض کا شکار ہے۔ حقانی فوبیا کے باعث امریکی جنرل مائیک مولن اپنی ایک گفتگو کے دوران جنرل کیانی کو جنرل حقانی کہتے رہے۔ ایک زمانہ تھا، امریکا کو اسامہ فوبیا تھا، اب حقانی فوبیا ہوگیا ہے۔

اس برس ''نائن الیون'' کی برسی منانے کے تیسرے دن، یعنی 13 ستمبر 2011ء کو صرف تین ''دہشت گردوں'' نے کابل کے ریڈ زون میں امریکا اور نیٹو کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کیا۔ امریکا جیسی سپر پاور کو ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے بیس گھنٹے لگ گئے۔ اس حملے نے امریکا جیسی سپر پاور کا دنیا بھر میں مذاق بنا دیا۔ پھر کیا تھا، ہر طرف ہاہا کار مچ گئی اور ہنگامہ برپا ہوگیا، جذبے نے ٹیکنالوجی کی رسوائی کا سامان کیا تو امریکا کا اشتعال دیدنی تھا۔ اسے امریکا کی بوکھلاہٹ کہہ لیں یا بدحواسی کہ دھمکیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔

امریکا دس سال تک بارود کی بارش کے باوجود افغانستان میں اپنی مرضی کا منظر نامہ تشکیل دینے میں ناکام رہا۔ افغانیوں کی تاریخ سے شاید ناواقف تھا۔ افغان حملہ آور کو آنے دیتے ہیں مگر آنے کے بعد جانے نہیں دیتے، اس کی ''خاطر مدارات'' اپنا حق سمجھتے ہیں۔ افغانستان میں برطانیہ اور روس جیسی سپر پاورز حملہ آور ہوئیں مگر رسوائی ان کا مقدر بنی۔ امریکا آیا تو روس اور برطانیہ کے کئی دانشوروں نے امریکا کو تاریخ یاد دلائی مگر امریکا نے کہا کہ وہ تاریخ بدلنے آیا ہے، مگر جب اس نے دیکھا کہ تاریخ بدلتی نظر نہیں آرہی تو اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے ''لڑاؤ اور مفادات حاصل کرو'' کی روایتی پالیسی کے تحت مذاکرات کا ڈول ڈالا، تاکہ وہ عسکری ناکامی کو مذاکرات کی میز پر کامیابی میں بدل سکے۔ اس کے لیے اس نے ماڈریٹ طالبان کی اصطلاح گھڑی اور پھر مذاکرات کے لیے تیسرے درجے کی قیادت کے ساتھ روابط بڑھانے کی کوشش کی۔ ترہیبی ہتھکنڈوں کی ناکامی کے بعد تحریص کے پھندوں کو آزمانے کا کام شروع کیا۔ مذاکرات کے لیے کبھی ایک کو ڈالر تھمائے، کبھی دوسرے کو، مگر آخر میں معلوم ہوا کہ مذاکرات کاری کے لیے رابطہ کاری کا ڈھونگ رچانے والا سپر پاور سے ہاتھ کر گیا، جعلی رابطہ کار نے ڈالر بٹورے اور پھر نو دو گیارہ ہوگیا۔ اختلافات پیدا کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں تو جھنجلاہٹ میں اضافہ ہوگیا، کبھی کنڑ کی جانب سے ''شدت پسندوں'' نے حملے شروع کیے کبھی چترال جیسے پرامن علاقے میں۔ جنرل کیانی نے اس موقع پر متاثرہ علاقوں خصوصاً چترال کا دورہ کرکے یہ ثابت کردیا کہ وہ ان حملہ آوروں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے مستعد ہیں۔

تمام تر چال بازیوں، فریب کاریوں، ریشہ دوانیوں کے باوجود امریکیوں کو نوشتۂ دیوار نظر آنے لگا تو انہوں نے چنگھاڑنا شروع کردیا۔ 3 کھرب 70 ارب ڈالر خرچ کرنے، 1140 فوجی ہلاک اور 3420 زخمی کروانے، ایک لاکھ چالیس ہزار کی امریکی اور اتحادی افواج کی موجودگی کے باوجود بھی ''مجاہدین'' جب اور جہاں چاہتے ہیں، اپنے متعینہ اہداف پر حملہ کردیتے ہیں، جسے روکنا امریکا اور اس کے اتحادیوں کے بس سے باہر ہوچکا ہے۔ افغانوں کو وہ پیٹھ دکھانے اور ہمیں آنکھیں دکھانے لگا ہے۔ ڈنڈے اور گاجر کی پالیسی افغانستان میں نہ چل سکی مگر پاکستان میں کامیاب رہی۔ گاجریں کم پڑ گئی ہیں، کیونکہ امریکی معیشت شاید اس کی متحمل نہیں رہی، مگر ڈنڈے وافر ہیں، اس لیے مائیک مولن اور دوسرے امریکی ان دنوں ڈنڈے آزمانے میں یک زبان ہیں۔

''حقانی نیٹ ورک'' جو کبھی امریکا کا منظور نظر تھا اور امریکا اس کی بلائیں لیا کرتا تھا، ہم پر اُس کی معاونت کے الزامات لگائے جارہے ہیں۔ حقانی کی پالیسی وہی ہے جو روسی استعمار کے وقت تھی مگر امریکی پالیسی بدل گئی ہے، کل کے مجاہد آج دہشت گرد ہیں، کیونکہ وہ استعمار کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ امریکا استعماری مفادات آگے بڑھاتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ اسے استعمار کی صف میں نہ کھڑا کیا جائے۔

امریکا ''حقانی نیٹ ورک'' کے ساتھ مذاکرات کرے اور اسے اپنے ڈھب پر لانے میں ناکام رہے، اسے آئی ایس آئی کا مضبوط ہتھیار قرار دے تو ہر طرف ''مینڈک'' ٹرانے لگتے ہیں۔ 71 سالہ جلال الدین حقانی بڑھاپے میں بھی جوان عزائم کا مالک ہے۔ کیمونسٹ داؤد کے خلاف جدوجہد کا آغاز کرنے والا گوریلا کمانڈر میدان کارزار کو اپنا گھر سمجھتا ہے۔ ''امام شامل ثانی'' کے لقب کے حامل اس مجاہد نے ہر معرکے میں روسی ریچھ کو پچھاڑا۔ روس، افغانستان سے بھاگا تو اقتدار کی کشاکش شروع ہوئی تو مصالحتی کمیشن کے سربراہ بن کر ''مجاہدین'' کو جنگ بازی سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ناکامی کے بعد انہوں نے خوست کا رخ کیا اور شرعی احکام کے مطابق معاملات چلاتے رہے، طالبان کی آمد کے بعد وہ پھر متحرک ہوئے اور طالبان کی حکومت میں قبائلی امور اور سرحدات کے وزیر بن گئے۔

2001ء میں امریکی آمد کے بعد وہ نہ صرف طالبان کی سرپرستی کررہے ہیں بلکہ ان کا نیٹ ورک ''ریڈ زون'' میں بھی متحرک ہے۔ 2003ء اور

2006ء میں بالترتیب امریکا اور کرزئی نے انہیں طالبان کا ساتھ چھوڑنے کے لیے کہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ 2009ء میں حقانی نیٹ ورک کے خلاف کارروائی کا امریکی مطالبہ شروع ہوا اور دھمکیاں دی گئیں کہ شمالی وزیرستان میں کارروائی کی جائے۔ جنرل کیانی کے انکار پر کوئٹہ میں ڈرون حملوں کی شروعات کرنے کی دھمکیاں دی گئیں اور کوئٹہ شوریٰ کی پروپیگنڈا مہم شروع کی گئی مگر یہ حربہ بھی ناکام ہوا۔ انخلاء کے اعلان کے بعد امریکا اپنی مرضی سے مذاکرات کرنا چاہتا تھا مگر ''حقانی نیٹ ورک'' سے روابط ماضی کی طرح ناکام ہوگئے تو جھلاہٹ میں موقع پانے پر وہ بے حجاب ہوگیا۔ اس کا ایک عرصے سے مقصد پاکستان کی افواج کو زیرِ دام لانا ہے۔ ''ایبٹ آباد ڈراما'' اسی کی کڑی تھی۔ اس کے بعد ڈالرخور دانشور اور قادیانی تجزیہ کار، فوج اور آئی ایس آئی کے خلاف امریکا کی زبان بولنے لگے مگر پاکستان کی افواج اور عوام کے درمیان خلیج پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ اب وہ آئی ایس آئی کو ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کا مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔ دس سالہ جنگ میں ''ہراول دستے'' کا کردار ادا کرنے والے اب خار بن کر کھٹک رہے ہیں۔ امریکا افغانستان میں اپنی مرضی کا منظر نامہ تشکیل نہیں دے پا رہا تو اس میں پاکستان کا کیا قصور ہے؟ امریکا اپنے مفادات کے لیے 12 ہزار میل دور سے آ کر اپنے آپشنز استعمال کر رہا ہے تو پاکستان کو کیوں یہ حق نہیں دیا جا رہا۔ آئی ایس آئی کو توڑ دینے کے مشورے دینے والے کیا اتنے زیادہ جاہل ہیں کہ انہیں افغانستان کے مستقبل کا منظر نامہ دکھائی نہیں دیتا۔

امریکا نے ہر آڑے وقت میں ہمارے ساتھ غداری کی۔ جھوٹ گھڑنے میں وہ ماہر ہے۔ کمزوروں کے آگے شیر ہونا اور شیروں کے آگے بھیگی بلی بن جانا، امریکا کا طرۂ امتیاز ہے۔ عراق میں ممنوعہ ہتھیاروں کی برآمدگی آج تک کیا ہوسکی؟ ریمنڈ ڈیوس کیا سفارت کار تھا؟ کوئٹہ شوریٰ کہاں ہے؟ حقانی نیٹ ورک سرحد پار کرکے جاتا ہے تو وہ روکتا کیوں نہیں؟ افغانستان میں اس کی عملداری کا قیام کیا پاکستان کی ذمہ داری ہے؟ حقانی نیٹ ورک کے خلاف پاک فوج کو لڑنا ہے تو امریکا کی عسکری مشینری کس لیے ہے؟ امریکی ہزیمت کو فتح میں بدلنا، کیا پاکستان کا فرض ہے؟ اس موقع پر پاکستان کی سیاسی و عسکری قوتوں کو مل بیٹھ کر پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کے لیے حتمی اور قطعی فیصلہ کرنا ہوگا۔ امریکا کی غلامی نے ہمیں رسوائیوں کے سوا اب تک دیا کیا ہے؟ فلپائن، شمالی کوریا، ویتنام اور کمبوڈیا سے امریکا جس انداز میں نکلا، وہ تاریخ کا حصہ ہے اور افغانستان میں اس کی درگت اسی کا تسلسل ہے، اس لیے اب پیاز اور جوتے کی پالیسی کو خیرباد کہہ کر غلامی کا جوا اتار پھینکا جائے۔ بزدلی نہیں فہم و فراست کی ضرورت ہے۔ پستیوں میں اترنے والے کا ساتھ دے کر ہم کب تک ذلتوں کی کالک منہ پر ملتے رہیں گے۔ مفاہمت کے بعد مزاحمت کر کے بھی دیکھ لیں۔ نفسیاتی مریض سے چھٹکارا ہی نجات کا ذریعہ ہے ۔

روح کو زخم زخم کردیں
ایسے یاروں سے دوریاں بہتر

نپولین کی طرح مولن افغانی بلی سے ڈر رہا ہے۔ شیر کی خالہ نے شیر کی شیری کو فسانہ بنا دیا ہے۔ اسی لیے اسے ''حقانی فوبیا'' ہوگیا ہے۔ سپر پاور کی ''پاور'' کو ہوا میں اڑانے والے بے سروسامانوں کا نفسیاتی خوف سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ''اسلام'')

معمارِ پاکستان نے کہا

''جس پاکستان کے قیام کے لیے ہم نے گزشتہ دس برس جدوجہد کی ہے، آج بفضلہ تعالیٰ ایک مسلمہ حیثیت بن چکا ہے، مگر کسی قومی ریاست کو معرضِ وجود میں لانا مقصد بالذات نہیں ہوسکتا، بلکہ کسی مقصد کے حصول کے ذریعے کا درجہ رکھتا ہے۔ ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح پنپنے کا موقع ملے۔''

(حکومت پاکستان کے افسران سے خطاب: 11 اکتوبر 1947ء)

سبق آموز

دنیا کی مثال

ہارون الرشید، باجوڑ ایجنسی

مولانا رومؒ سے کسی نے دنیا کی حقیقت پوچھی تو انہوں نے فرمایا: دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے شیر آرہا ہے۔ وہ بھاگا اور جب تھک گیا تو دیکھا کہ آگے ایک گڑھا ہے۔ چاہا کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے۔ لیکن گڑھے میں ایک اژدھا نظر آیا۔ اب آگے اژدھے کا خوف، پیچھے شیر کا ڈر۔ اتنے میں ایک درخت کی ٹہنی پر نظر پڑی، اسے پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا، مگر درخت پر چڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ درخت کی جڑ کو دو سفید اور سیاہ چوہے کاٹ رہے ہیں۔ بہت خائف ہوا کہ اگر درخت کی جڑ کٹ جائے گی تو میں گر جاؤں گا اور پھر شیر اور اژدھے کا لقمہ بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ اتفاقاً اسے اوپر کی طرف ایک شہد کا چھتا نظر آیا۔ وہ اس شہد کو پینے میں اتنا مشغول ہوگیا کہ نہ شیر کا ڈر رہا نہ اژدھے کا خوف اور نہ ہی چوہوں کا غم۔ اتنے میں دفعتاً درخت کی جڑ کٹ گئی اور وہ گر پڑا۔ شیر نے چیر پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا تو اژدھے کے منہ میں چلا گیا۔

اس مثال میں جنگل سے مراد یہ دنیا ہے۔ شیر موت ہے جو پیچھے لگی ہے۔ گڑھا قبر ہے، جو اس کے آگے ہے۔ اور اژدھا اعمالِ بد ہیں جو قبر میں مشکل میں ڈالیں گے، چوہے دن رات ہیں۔ درخت عمر ہے اور شہد کا چھتا دنیائے فانی کی غافل کر دینے والی لذات ہیں جن کی وجہ سے انسان موت کی فکر اور مرنے کے بعد اعمال بد کی جواب دہی وغیرہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور پھر اچانک موت آجاتی ہے۔

تنظیم اسلامی کی دعوتی و تربیتی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی بہاولپور کا تربیتی اجتماع

تنظیم اسلامی بہاولپور (حلقہ جنوبی پنجاب) کے تربیتی اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن پاک وترجمہ سے ہوا، جس کی سعادت حافظ مبشر ملک نے حاصل کی۔ تلاوت کے بعد جناب امیر مقامی تنظیم جناب ذوالفقار نے درس حدیث دیا۔ درس قرآن کی ذمہ داری جناب عرفان بٹ نے نبھائی۔ وہ قرآن اکیڈمی ملتان کے ناظم ہیں۔ اُن کے درس کا موضوع ''روزے کی حکمت'' تھا۔ عرفان صاحب نے حضرت ابی بن کعب کی حدیث کی مدد سے تقویٰ کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ روزہ کے ذریعے اللہ کی ناراضی سے بچنے کی تربیت دی جاتی ہے، اُس کی رضا کی خاطر بھوک اور پیاس برداشت کرنے کی پریکٹس کروائی جاتی ہے۔ مدرس نے رمضان کے دوگونہ پروگرام: دن کا روزہ رات کا قیام کی بھی وضاحت کی۔ دُعا پر اِس پروگرام کا اختتام ہوا۔ (مرتب: محمد ارسلان خالد)

تنظیم اسلامی جاتلاں آزاد کشمیر حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے زیراہتمام دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی جاتلاں آزاد کشمیر حلقہ پنجاب پوٹھوہار کے زیراہتمام دعوتی پروگرام 8 ستمبر 2011ء دن دس بجے چھنّی ملکانی میں راجہ ماسٹر اجمل محمود کے گھر ہوا۔ پروگرام کا آغاز تذکیر بالقرآن سے ہوا۔ ناظم حلقہ مشتاق حسین نے سورۃ المدثر کی آیت نمبر 40 تا 48 کا درس دیا۔ تلاوت آیات اور ماثور و مسنون دعاؤں کے بعد انہوں نے زیر درس آیات کی تشریح کی۔ تمہید کے بعد مدرس نے جنت اور جہنم کا نقشہ حاضرین کے سامنے اس قدر موثر انداز میں پیش کیا گویا وہ انہیں اپنے سامنے دیکھ رہے ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس دنیا میں قبائل تعارف کے لیے ہیں نہ کہ فخر و تکبر کے لیے، اللہ کے نزدیک محترم و مکرم وہی ہوگا جو دنیا میں اللہ سے ڈر کر زندگی بسر کرے گا۔ انہوں نے سورۃ العصر کے حوالے سے چار لوازم نجات، یعنی ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کو ملحوظ رکھنے کی تلقین کی، اور واضح کیا کہ چاروں لوازم کا پورا کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے نماز کی اہمیت بیان کی۔ اس دعوتی پروگرام میں مڈل سکول چھنی ریکی ضلع بھمبر کے صدر معلم جناب مشکور احمد، میجر طارق محمود، چودھری محمد اکرم اور مدرس طاہر محمود نے بھی شرکت کی۔ پروگرام کا اختتام دُعا پر ہوا۔ بعد ازاں مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ پروگرام اختتام پذیر ہوگیا۔ (رپورٹ: ظفر اقبال)

ماہانہ تربیتی اجتماع تناظیم ہارون آباد

11 ستمبر 2011ء کو مسجد فاطمہ المعروف جامع القرآن ہارون آباد میں تنظیم اسلامی ہارون آباد کا ماہانہ اجتماع منعقد ہوا۔ تنظیم اسلامی ہارون آباد نمبر 1 کے امیر محمد شفیق نے پروگرام کی نقابت کی۔ پروگرام کا آغاز ساڑھے نو بجے تلاوت قرآن سے ہوا۔ تلاوت کی سعادت ملتزم رفیق حافظ بشیر احمد نے حاصل کی۔ اس کے بعد رضوان عزمی نے سیرت النبیؐ کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نزول وحی سے پہلے کی حیات مطہرہ کا مطالعہ کروایا، جس میں خانہ کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کی تنصیب کے معاملہ کا خصوصی تذکرہ کیا۔

سیرت النبی کے تذکرہ کے بعد محمد منیر احمد نے سورۃ الانعام کی چند آیات کا درس دیا۔ بعد ازاں درس حدیث ہوا، جس کی ذمہ داری سجاد سرور نے ادا کی۔ انہوں نے مسلم بھائی چارے سے متعلق احادیث بیان کیں۔ ساڑھے گیارہ بجے چائے کا وقفہ کیا گیا۔ وقفہ کے بعد راقم نے سیرت صحابہؓ پر گفتگو کی اور بیان کیا کہ صحابہؓ ہی وہ چراغ ہیں، جن سے روشنی حاصل کر کے دنیا کے ظلمت کدہ میں سیدھی راہ تلاش کی جاسکتی ہے۔

سب سے آخر میں شفیق صاحب نے تنظیمی رفقاء کے اصاف کے حوالہ سے گفتگو کی۔ اِس ضمن میں انہوں نے تعلق مع اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت پر زور دیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ جو رفقاء تنظیم سے وابستہ ہیں ان کو تنظیمی پروگراموں میں بھرپور شرکت کرنی چاہیے۔ انہوں نے واضح کیا کہ جو لوگ تنظیمی پروگراموں میں شرکت نہیں کرتے وہ دراصل تنظیم سے عہد اور اللہ کے دین کے لیے کام کرنے کا عزم بھلا چکے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس رویہ پر سنجیدگی سے نظر ثانی کرنی چاہیے۔ آخر میں انہوں نے چند اعلانات کیے۔ پونے ایک بجے دعا پر پروگرام کا اختتام ہوا۔ اس پروگرام میں 45 رفقاء و احباب نے شرکت کی۔ (مرتب: رانا محمد عرفان)

حلقہ مالاکنڈ کا سہ ماہی دعوتی و تربیتی پروگرام

11 ستمبر صبح ساڑھے آٹھ بجے تا ساڑھے بارہ بجے تنظیم اسلامی مالاکنڈ کے رفقاء و احباب کے لیے دعوتی و تربیتی پروگرام منعقد کیا گیا۔ پروگرام میں 70 رفقاء اور 15 احباب نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز تلاوت و ترجمہ قرآن سے ہوا، جس کی سعادت حافظ احسان اللہ نے حاصل کی۔ انہوں نے رفقاء کے اوصاف پر قرآن کے متعلقہ حصے سے بہت مؤثر انداز میں درس بھی دیا، جو آدھ گھنٹے پر محیط تھا۔ اس کے بعد جناب فیض الرحمٰن نے ''عبادت رب'' کے موضوع پر دلنشیں اور پُر مغز خطاب کیا اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح رازق، خالق اور مالک ہے اِسی طرح وہ حاکم بھی ہے، اُسی کا حکم اور قانون جاری ہوگا تو بندگی پوری ہوگی۔ اللہ کی حاکمیت پر مبنی نظام کیسے آئے گا اس کا نمونہ بھی ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے پیش فرما دیا ہے۔

اگلا موضوع تھا: ''تبدیلی نظام کا نبویؐ طریقہ کار'' مقرر حبیب علی تھے۔ انہوں نے پہلے طریق انقلاب کے مراحل بیان کیے اور پھر یہ واضح کیا کہ انقلاب زندگی کے اجتماعی گوشوں میں مکمل تبدیلی کو کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جامع اور مکمل انقلاب پیغمبر اسلام کا برپا کردہ انقلاب تھا، جو زندگی کے انفرادی اور اجتماعی دونوں گوشوں پہ محیط تھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے ہم نبوی طریقہ کار کو اختیار کریں اور اِسے لوگوں پر واضح کریں، کیونکہ باقی تمام طریقوں سے لوگ مایوس ہو چکے ہیں۔ اس موقع پر رفقاء و احباب کے لیے تنظیم کی مطبوعات اور سی ڈیز کا اسٹال بھی لگایا گیا تھا، جس سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا۔ 11 بجے رفقاء و احباب کو چائے کے بعد رخصت کیا گیا اور امراء تناظیم و نقباء اُسرہ جات کے ساتھ سہ ماہی مشاورت ہوئی، جس میں رفقاء کی تربیت کے اور سالانہ اجتماع کے لیے تیاری پر زور دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ ہماری جانیں اور اموال دین کی اقامت اور اپنی رضا کے حصول میں لگا دے۔ (آمین) (مرتب: احسان الودود)

رمضان المبارک میں اسرہ ساہیوال کے زیراہتمام دروس قرآن اور دعوتی سرگرمیاں

ماہ رمضان کے دوران اسرہ ساہیوال کے تحت مختلف عنوانات کے تحت ہونے والی دعوتی سرگرمیوں کی رپورٹ حسب ذیل ہے۔ یاد رہے کہ ان پروگرام کے واحد مقرر و مدرس جناب عبداللہ سلیم تھے۔

استقبال رمضان پروگرام

اس عنوان کے تحت رمضان المبارک سے قبل درج ذیل چار پروگرام ہوئے:

☆ ساہیوال کے مشہور کاروباری مرکز سوڑی گلی میں واقع بابری مسجد اہل حدیث میں

انتظامیہ کی دعوت پر رمضان المبارک سے قبل جمعہ پڑھانے کا موقع ملا۔ موضوع تھا: ''رمضان اور قرآن کے دو متوازی پروگرام دن کا روزہ رات کا قیام''۔ یہاں نمازیوں کی تعداد 500 کے قریب رہی۔ مسجد کا ہال بروقت بھر چکا تھا۔

☆ ساہیوال سٹیڈیم کے قریب ایک اسلحہ ڈیلر کی دوکان پر ایک پروگرام ہوا، جس میں 30 تاجر حضرات نے شرکت کی۔ موضوع ''استقبال رمضان'' تھا۔

☆ نقیب اسرہ جناب عبداللہ سلیم کی رہائش گاہ پر ماہانہ درس قرآن ہوا۔ درس کا موضوع بھی استقبال رمضان تھا۔ یہاں خواتین وحضرات کی حاضری 150 کے قریب تھی۔

☆ ساہیوال چیمبر آف کامرس کے تحت رمضان المبارک سے دو روز قبل ایک بھرپور پروگرام ہوا، جس میں صوبائی وزیر زکوٰۃ وعشر ندیم کامران اور ضلعی انتظامیہ سمیت تقریباً 500 کے قریب افسران اور تاجر حضرات نے شرکت کی۔ یہاں بھی جناب عبداللہ سلیم نے رمضان اور قرآن مجید کے باہمی تعلق پر مختصر خطاب کیا۔ یہ پروگرام بہت بھرپور رہا۔

معمول کے دروس قرآن:

ہفتہ وار درس: ہفتہ وار درس قرآن معمول کے مطابق جناب سید طمطراق شاہی کے ہاں جاری رہا، جس میں عصر کے بعد درس قرآن، بعدازاں افطاری کا اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں شرکاء کی اوسط حاضری 30 رہی۔

ماہانہ درس قرآن: اس سلسلہ کا پہلا درس قرآن ساہیوال کی مشہور کاروباری شخصیت جناب میاں یونس کے گھر رمضان کے پہلے جمعہ کو ہوا، جس میں 125 کے قریب افراد نے شرکت کی۔ درس کے بعد یہاں افطار و ڈنر کا بھرپور انتظام کیا گیا تھا۔

دوسرا درس مسجد العزیز میں ہوا، جو اولڈ سول لائنز میں واقع ہے۔ یہاں 100 سے زائد افراد نے درس اور افطار و ڈنر میں شرکت کی۔ افطار و ڈنر کا انتظام مسجد کے مخیر نمازیوں نے کیا تھا۔

رمضان المبارک کے تیسرے جمعہ کو جناب عبداللہ سلیم کے ہاں درس قرآن تھا۔ موضوع لیلۃ القدر+غزوۂ بدر تھا۔ اس پروگرام میں خواتین وحضرات کی مجموعی حاضری 200 کے لگ بھگ تھی۔

خصوصی پروگرام

معمول سے ہٹ کر دو خصوصی پروگرام ہوئے۔

☆ ایک پروگرام اہل حدیث حضرات کے دینی مرکز جامعہ رحیمیہ میں ہوا۔ نقیب اسرہ نے جمعۃ الوداع کے موقع پر تقریر کی اور خطبہ جمعہ بھی دیا۔ یہاں حاضری 400 افراد کے لگ بھگ تھی۔

☆ اس سلسلے کا دوسرا پروگرام چیمبر آف کامرس کا افطار ڈنر تھا، جس میں نقیب اسرہ نے مختصر مگر مدلل خطاب کیا۔

ختم قرآن کی محافل ومجالس

رمضان المبارک کی 25 ویں شب کو معروف وکیل جناب احسن حفیظ کی رہائش گاہ پر نقیب اسرہ نے ختم قرآن کے موقع پر مفصل خطاب کیا اور دعا کروائی۔ یہاں خواتین وحضرات کی حاضری 110 کے قریب تھی۔

ختم قرآن کا دوسرا پروگرام 27 ویں شب کو میاں محمد یونس کی رہائش گاہ پر ہوا۔ یہاں بھی ختم قرآن کی محفل میں نقیب اسرہ کا مفصل خطاب ہوا۔ بعدازاں انہوں نے دعا کروائی۔ پروگرام میں سوا سو سے زائد پڑھے لکھے افراد نے شرکت کی، جن میں معروف ڈاکٹر، وکلاء و تاجر حضرات شامل تھے۔

28 ویں شب کو جناب عبداللہ سلیم کے چھوٹے بھائی عبداللہ نعیم کے گھر پر ختم قرآن کی محفل میں نقیب اسرہ نے خطاب کیا اور دعا کروائی، جہاں نماز تراویح میں عبداللہ نعیم کے بیٹے حافظ سعد عبداللہ نے قرآن مجید سنایا اور نقیب اُسرہ کے بیٹے حافظ معاذ عبداللہ نے سماعت کی۔ اس روح پرور محفل میں اہل محلہ نے بھی شرکت کی۔ شرکاء کی تعداد تقریباً 60 تھی۔

29 ویں شب کو دو پروگرام ہوئے۔ ڈویلپر کالونی میں جناب طاہر احمد شیخ کی کوٹھی پر ختم قرآن کا پروگرام ہوا۔ اس محفل میں جناب عبداللہ سلیم نے 50 خواتین وحضرات سے مفصل خطاب کیا اور بعدازاں دعا کروائی۔ جناب طاہر احمد شیخ تنظیم کی فکر میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں۔ اسی شب کا دوسرا پروگرام، جناب میاں لطیف کے گھر پر ہوا، یہاں بھی مفصل خطاب ہوا اور بعدازاں دُعا ہوئی۔ خواتین وحضرات کی حاضری 100 کے قریب تھی۔

(مرتب: رحمان اسلم نائب نقیب اسرہ، ساہیوال)

✿✿✿

دعائے مغفرت کی درخواست

حلقہ پنجاب شمالی کی مقامی تنظیم النور کالونی راولپنڈی کے ملتزم رفیق صوفی محمد صفدر کی والدہ ماجدہ رحلت فرما گئیں

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ (آمین)

قارئین ورفقاء سے بھی مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اللّٰھم اغفرلھا وارحمھا وادخلھا فی رحمتك وحاسبھا حسابًا یسیرًا

ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن' دروسِ قرآن' دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری' صحیح مسلم' موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو رویڈیو کیسٹس رسی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

Visit us at
www.tanzeem.org

insurance numbers, no data of births and deaths beyond the local level.

This independence was severely curtailed by the new state structures implanted by the European rulers. These new state institutions started to count human beings, record their existence in state registers, which also noted what they did to earn their living. All of this contributed to the arrival of "European modernity" in Muslim lands, which were increasingly shackled in an international economic and political system dominated by the western global agenda. While this was taking place, a small percentage of people from the colonial lands started to become alarmed about the state of their people. They received European education, learned modern politics from their colonizers and --- driven by necessity, self-propagation, ambition, concern for their people, and various other forces --- they initiated "independence movements" which, in turn, produced the greatest reconfiguration of the Muslim world in modern times.

All of this happened so quickly that the bulk of the Muslim population had had little time to adjust to the new realities. All they witnessed was a sea change in their way of living. Most of them lived in villages where farm machines started to arrive around 1960s; then electricity and roads came and finally a slew of new technological gadgets ushered them into modernity; now they are connected via the ubiquitous cellular phone.

Likewise, life in the cities was drastically transformed by the mid-1980s. Instead of sleepy and drowsy towns of a couple of million people being the largest city of the country, huge metropolises emerged all over the Muslim lands along with unbearable traffic jams; millions of cars were just dumped on the roads, turning them into huge parking lots. Those who allowed this to happen, had no idea what they were doing by importing or manufacturing cars that had no place to go. As if this was not enough, the oil-boom of the 1970s, the huge increase in city-dwellers and most of all, the curse of constant western intervention in the making of new polities contributed to the emergence of the Muslim world in which we now live.

(*To be continued*)

Dr Muzaffar Iqbal

THE ROOTS OF MUSLIM RAGE

The Muslim world is soaking in blood: from Yemen to Afghanistan, there is hardly a country where violence, oppression, inequality, man-made disasters and meaningless deaths are not the order of the day. Dreadful, draconian and brutal regimes dominate the political scene. There is hardly a country where one can breathe freely. Ruthless men rule hapless polities with iron fists. These discredited and despised rulers pay no attention to human suffering; all that matters to them is prolonging their rule, which gives them unlimited "royal" perks. There is no concern for what is called human rights in the West, what to talk about the higher level of concern a ruler is supposed to have for his people in the Islamic legal, moral and ethical system.

It is extremely difficult to find answers for this complex situation, but to dissolve the question with meaningless answers is to rub salt on open wounds. Thus, those who provide us the following answers should all be thrown out of the window: It is the curse of extremism; this is all due to Americans; no, it is the Taliban; it is because Af al-Qaeda, and all variations thereof, to ad nauseam.

The Muslim world is immersed in a sea of blood and violence; let us ask anew: "why?" and begin with some sound process of analysis which can at least give us an inkling of the greater forces at work which have produced this vast change in lands which were sleepy, silent, non-violent and almost medieval cities and towns just a few decades ago, where rural areas were certainly living in pre-modern times, with no electricity, no running water, no gas, what to talk of telephone and the internet.

A reasonable starting point is the decade after World War II. This decade witnessed the greatest reconfiguration of the political map of the Muslim world since the end of the sixteenth century, if not since the end of the Abbasid rule in 1258. This reconfiguration of the Muslim world emerged when it gained a certain degree of political independence from the European powers. The European powers, mostly France and Britain, but to a lesser extent Italy, Portugal, and the Netherlands, had ruled various parts of the Muslim world over a century, in certain cases for two hundred years, directly and indirectly. Prior to the era of colonization, the Muslim world was largely made up of three powerful empires: the Ottomans, the Safavid and the Mughal, although there were certain independent areas outside these vast empires.

For most Muslims, the European dominance and the consequent colonization of the Muslim world was not a violent experience, although crimes committed by them certainly belong to the darkest side of human existence, yet the fact remains that most Muslims had little to do with them. They were silent spectators of what was happening in certain areas of the vast region where they lived. This was also due to the fact that most Muslims then lived private lives in which the state had very little direct role. The greatest proof of this independence of the individual existence is the fact that their lives were not recorded in any state register; there were no national identity cards, no social